ماہنامہ انصار اللہ

ایڈیٹر
نصیر احمد انجم

جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض

''خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے
تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دُنیا
میں گُم ہو چکی ہے اور وہ حقیقی تقویٰ وطہارت جو اس
زمانہ میں پائی نہیں جاتی اسے دوبارہ قائم کرے۔''
(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 213-214)

وفا 1386 ہش
جولائی 2007ء

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ

انصاراللہ

ایڈیٹر: نصیر احمد انجم

وفا 1386 حش جولائی 2007ء

جلد نمبر 48

شمارہ نمبر 7

فون نمبر: 047-6212982 فیکس نمبر: 047-6214631

ای میل: ansarulahpakistan@gmail.com

نائبین

- ریاض محمود باجوہ
- محمود احمد اشرف
- صفدر نذیر گولیکی

پبلشر: عبدالمنان کوثر

پرنٹر: طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: انیس احمد

مقام اشاعت: دفتر انصاراللہ

دارالصدر جنوبی، چناب نگر (ربوہ)

مطبع: ضیاء الاسلام پریس

شرح چندہ: (پاکستان)

سالانہ ..... ایک سو روپیہ

قیمت فی پرچہ ..... 10 روپے

اس شمارہ میں

اداریہ ..... صفحہ 2

القرآن: ہستی باری تعالیٰ 4

حدیث نبویؐ: 5

عربی منظوم کلام 6

فارسی منظوم کلام 7

اردو منظوم کلام 8

کلام الامام: رضائے الٰہی کا حصول 9

سورۃ فاتحہ۔ دعاؤں کا خزانہ ..... 10 تا 13

از: مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب

علی برادران اور جماعت احمدیہ ..... 14 تا 23

از: مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب

نظم: ''نئے پھول'' 24

کلام: مکرم ضیاء اللہ مبشر صاحب

روئیداد زیارت مرکز قادیان ..... 25 تا 30

از: مکرم منیر مسعود صاحب لاہور

نظم: رُخ سوئے کوئے یار کر لیا 31

کلام: مکرم طاہر عارف صاحب

بھوشیہ مہاپران اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ..... 32 تا 40

از: مکرم شیخ مجاہد احمد شاستری صاحب قادیان

اداریہ

گردشِ لیل ونہار

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ مشہور زمانہ فقرہ ایک عالمگیر سچائی پر مشتمل ہے۔ وقت کا پہیہ چلتا رہتا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے اختتام پر نئے دِن کا طلوع۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ کون وقت کی قدر کرتا ہے۔ وقت کی قدر سے مراد اس کا صحیح اور مثبت استعمال ہے۔ جو قومیں اس گُر کو پالیتی ہیں ترقی ان کے قدم چومتی ہے اور وہی بام عروج تک پہنچتی ہیں۔ جو افراد یا اقوام وقت کی قدر کھو دیتی ہیں وقت ان کی قدر کھو دیتا ہے اور وہ پستی کی اُس گہرائی میں جا گرتی ہیں جہاں اُن کا نشان تک نہیں ملتا۔ مختلف دانشوروں نے وقت کی قدر کرنے کا درس اپنے اپنے انداز سے دیا ہے۔

پنجابی زبان کے شاعر جن کا عارفانہ کلام اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے یعنی میاں محمد بخش صاحب کہتے ہیں:

لوئے لوئے بھر لے کُڑیے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نے ڈرنا

یعنی اے خاتون جو کنویں پر پانی لینے آئی ہے۔ جلدی کر اور سورج کی روشنی میں ہی پانی بھر لے کیونکہ شام کے بعد سورج ڈوب جائے گا اور پھر محبوب کے بغیر اکیلی گھر جاتے

ہوئے تمہیں ڈر اور خطرہ ہوگا۔

کتنی پیاری بات کی ہے کہ زندگی میں بھی اور آخرت کے لئے بھی جو نیکیاں کما سکتے ہو جلد کما لو قبل اِس کے کہ زندگی کا سورج ڈوب جائے اور شام ہو جائے۔ پھر اندھیرے میں قدم ڈگمگائیں گے اور منزل کھونے کا ڈر ہوگا۔ اس لئے اِن تمام حوادث اور خطرات سے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ وقت ضائع کئے بغیر اپنے مفوضہ کام سرانجام دے لو تا کہ محبوب کی رفاقت میسّر آ جائے اور خطرات سے بچ کر محبوب ازلی کے چرنوں میں جا بیٹھو۔ زہے نصیب

ہم احمدی تو اُس آقا کے غلام ہیں جسے خدا نے فرمایا:

اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَایُضَاعُ وَقْتُہٗ

کہ تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا اور اس کے آقا اور مطاع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ خدا کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں انسان اکثر غفلت کا شکار رہتے ہیں۔ ان میں ایک صحت ہے اور دوسری فراغت ہے۔

پس ہم میں سے ہر ایک کو صحت کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور فراغت کی نعمت کا بھی حق ادا کرنا چاہیے یعنی اُسے مثبت اور تعمیری کاموں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں صرف کرنا چاہیے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

؎ وقت کم ہے بہت ہیں کام چلو
ملگجی ہو رہی ہے شام چلو

القرآن

دوست اور مددگار خدا

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

(سورہ توبہ:116)

ترجمہ: یقیناً اللہ ہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا بھی ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔

(اردو ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حدیث نبوی ﷺ

دوزخ کا ایندھن

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ

(مسلم کتاب الجنة و صفة النعیم باب النار یدخلها الجبارون)

ترجمہ:- حضرت حارثہ بن وہبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کیا جنت میں بسنے والوں کے متعلق میں تمہیں کچھ بتاؤں؟ ہر وہ کمزور جس کو لوگ کمزور سمجھتے ہیں مگر جب وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کے نام کی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتا ہے اور جیسا وہ چاہتا ہے ایسا ہی کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا۔ کیا میں تم کو دوزخ میں رہنے والوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ ہر سرکش خود پسند، شعلہ مزاج، متکبر دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

عربی منظوم کلام

وَفَنُوْا بِحُبِّ الْمُصْطَفٰی

قَامُوا بِاِقْدَامِ الرَّسُوْلِ بِغَزْوَةٍ
حَضَرُوْا جَنَابَ اِمَامِنَا لِفِدَاءِ

وہ غزوات میں رسول کے قدموں میں کھڑے رہے وہ ہمارے امام کے حضور فدا ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔

فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِی حُبِّهِمْ
تَحْتَ السُّيُوْفِ اُرِيْقَ كَالْاَطْلَاءِ

اپنی محبت میں ان کے صدق کی وجہ سے ان مَردوں کا خون تلواروں کے نیچے اس طرح بہایا گیا جیسے ہرن کے نوزائیدہ بچے (کو ذبح کیا جائے)

بَلَغَ الْقُلُوْبُ إِلَى الْحَنَاجِرِ كُرْبَةً
فَتَخَيَّرُوْا لِلّٰهِ كُلَّ عَنَاءِ

(جب) کرب سے دل ہنسلیوں (حلق) تک پہنچ گئے تو انہوں نے اللہ کی خاطر ہر مصیبت اختیار کرلی

دَخَلُوْا حَدِيْقَةَ مِلَّةٍ غَرَّاءِ
عَذْبَ الْمَوَارِدِ مُثْمِرُ الشَّجَرَاءِ

وہ داخل ہو گئے ملّتِ غرّاء کے باغ میں جو چشموں والا اور ثمردار درختوں والا ہے

وَفَنُوا بِحُبِّ الْمُصْطَفٰی فَبِحُبِّهٖ
قُطِعُوْا مِنَ الْاٰبَاءِ وَالْاَبْنَاءِ

وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہو گئے اور اس کی محبت کے باعث اپنے باپ دادوں اور بیٹوں سے منقطع ہو گئے

(القصائد الاحمدیہ مترجم صفحہ 254-255)

فارسی منظوم کلام

بوئے محبوبِ حقیقی میدمد زاں روئے پاک

شانِ احمد راکہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جداشد کزمیاں افتاد میم

احمد کی شان کوسوائے خداوند کریم کے کون جان سکتا ہے وہ اپنی خودی سے اس طرح الگ ہوگیا کہ میم درمیان سے گر گیا

زاں نمط شد محوِ دلبر کز کمالِ اتحاد
پیکرِ اُو شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم

وہ اپنے معشوق میں اس طرح محو ہوگیا کہ کمال اتحاد کی وجہ سے اس کی صورت بالکل ربّ رحیم کی صورت بن گئی

بوئے محبوبِ حقیقی میدمد زاں روئے پاک
ذاتِ حقّانی صفاتش مظہر ذاتِ قدیم

محبوبِ حقیقی کی خوشبو اس کے چہرہ سے آ رہی ہے اس کی حقانی ذات خدائے قدیم کی ذات کی مظہر ہے

گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد وضلال
چوں دلِ احمد نمے بینم دگر عرشے عظیم

خواہ کوئی مجھے الحاد اور گمراہی سے ہی منسوب کرے مگر میں تو احمدؐ کے دل جیسا اور کوئی عظیم الشان عرش نہیں دیکھتا

منّت ایزد راکہ من بر رغمِ اہلِ روزگار
صد بلا را میخرم از ذوقِ آں عین النعیم

خدا کا شکر ہے کہ میں دنیا داروں کے برخلاف اُس سرچشمہ نعمت کی خواہش کی وجہ سے سینکڑوں دکھ خریدتا ہوں

(توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 62-63)

اردو منظوم کلام

بدظنّی سے بچو

اگر دِل میں تمہارے شر نہیں ہے
تو پھر کیوں ظنِ بد سے ڈر نہیں ہے

کوئی جو ظنِ بد رکھتا ہے عادت
بدی سے خود وہ رکھتا ہے اِرادت

گمانِ بد شیاطیں کا ہے پیشہ
نہ اہلِ عِفّت و دیں کا ہے پیشہ

تمہارے دِل میں شیطاں دے ہے بچّے
اسی سے ہیں تمہارے کام کچّے

وہی کرتا ہے ظنِ بد بِلا ریب
کہ جو رکھتا ہے پَردہ میں وہی عیب

وہ فاسق ہے کہ جس نے رہ گنوایا
نظر بازی کو اِک پیشہ بنایا

مگر عاشق کو ہرگز بد نہ کہیو!
وہاں بدظنّیوں سے بچ کے رہیو

اگر عُشاق کا ہو پاک دامن
یقیں سمجھو کہ ہے تریاق دامن

مگر مُشکل یہی ہے درمیاں میں
کہ گُل بے خار کم ہیں بوستاں میں

تُمھیں یہ بھی سُناؤں اس بیاں میں
کہ عاشق کِس کو کہتے ہیں جہاں میں

وہ عاشِق ہے کہ جس کو حسبِ تقدیر
محبت کی کماں سے آ لگا تیر

نہ شہوت ہے نہ ہے کچھ نفس کا جوش
ہوا اُلفت کے پیمانوں سے مدہوش

لگی سینہ میں اُس کے آگ غم کی
نہیں اس کو خبر کچھ پیچ و خم کی

(درثمین اردو صفحہ 156 مطبوعہ ربوہ پریس انڈن)

کلام الامام

رضائے الٰہی کا حصول

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے رُوح القدس سے حصہ لو کہ بجز رُوح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتی اور نفسانی جذبات کو بکلّی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو دنیا کی لذّتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو وہ درد جس سے خدا راضی ہو اُس لذّت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذّات چھوڑ کر اپنی عزّت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور تم اُن راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدمِ صدق نہیں رکھتا۔''

(رسالہ ''الوصیت'' مروحانی خزائن جلد 20 صفحہ 307)

سورۃ فاتحہ۔ دعاؤں کا خزانہ

از: مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب

سورۃ فاتحہ سارے قرآن مجید کا خلاصہ اور علوم کا مخزن ہے اور دعاؤں کا خزانہ ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اجمالی طور پر وہ سب دعائیں موجود ہیں جو قرآن شریف میں مذکور ہوئی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی معرکۃ الآرا کتاب براہین احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں ''سورۃ فاتحہ مجمل طور پر تمام مقاصدِ قرآن شریف پر مشتمل ہے گویا یہ سورۃ مقاصد قرآنیہ کا ایک اعجاز لطیف ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر: 88) یعنی ہم نے تجھے اے رسول سات آیتیں سورۃ فاتحہ کی عطا کی ہیں جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں اور اُن کے مقابلہ میں قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصّل طور پر مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اس جہت سے اس سورۃ کا نام ام الکتاب اور سورۃ فاتحہ ہے۔

اُمّ الکتاب اِس جہت سے کہ جمیع مقاصد قرآنیہ اس سے مستخرج ہوتے ہیں اور سورۃ الجامع اِس جہت سے کہ علوم قرآنیہ کے جمیع انواع پر بصورتِ اجمال مشتمل ہے۔ اِسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا اُس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا غرض قرآن شریف اور احادیث نبوی سے ثابت ہے کہ سورۃ ممدوحہ ایک آئینہ قرآن نما ہے۔'' (روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 580-581، براہین احمدیہ حاشیہ نمبر 11)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام سے استفادہ کرتے ہوئے بہت سی دعائیں سورۃ فاتحہ سے اخذ کی ہیں اور اردو زبان میں جلسہ سالانہ کے موقع پر وقتاً فوقتاً بیان کی ہیں چنانچہ جلسہ سالانہ ربوہ 1975ء کے افتتاحی خطاب میں فرمایا ''ہماری دعائیں سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ جو کہ پہلی سورۃ ہے۔ اس میں اتنی زبردست دعائیں ہیں اور اتنی وسیع دعائیں ہیں کہ ان کی وسعتوں میں تو اس مختصر سے وقت میں نہیں جا سکتا لیکن اس وقت کی دعا بہرحال سورۂ فاتحہ سے ہی شروع کرتا ہوں۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی چار بنیادی صفات کا ذکر ہے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امہات الصفات کہا ہے یعنی ہمارا اللہ رب العالمین ہے۔ ہمارا اللہ رحمٰن ہے، ہمارا اللہ رحیم ہے۔ ہمارا اللہ مالک یوم الدّین ہے اور ہمیں یہ حکم ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ اور پھر سورۃ فاتحہ میں یہ ذکر ہے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات ہیں ان صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ۔ ان صفات کے جلوؤں کے نتیجہ میں انسان کو بہت سی طاقتیں اور استعدادیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس لئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں

ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ خدا سے یہ دعا کرو کہ اے خدا! جو قوتیں اور استعدادیں تُو نے دی ہیں انہیں احسن اور بہتر رنگ میں استعمال کرنے اور ان استعدادوں سے پورے طور پر فائدہ اُٹھانے کی ہمیں توفیق عطا کر۔

پھر چونکہ انسان ہمیشہ کی ترقیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔اس لئے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی اے خدا جو کچھ تُو نے دیا ہے اس سے جب ہم پورا فائدہ اُٹھالیں تو وہ ہماری آخری منزل تو نہیں۔اس کے بعد مزید منزلوں نے آنا ہے بس ان کے لئے جن نئی استعدادوں اور قوتوں کی ہمیں ضرورت ہو وہ ہمیں عطا کر اور اپنے صراط مستقیم پر ہمیں قائم کردے اور اپنی رضا کی جنّتوں میں ہمیں داخل کرلے۔(الفضل 21/فروری 1976ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''آٹھواں مقصد قرآن شریف کا صراط مستقیم کے دقائق کو بیان کرنا ہے اور پھر اس کی طلب کے لئے تاکید کرنا کہ دعا اور تضرع سے اُس کو طلب کریں سو یہ مقصد اھدنا الصراط المستقیم میں بطور اجمال آ گیا۔''

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 684 حاشیہ)

۱۹۶۹ء کے جلسہ سالانہ ربوہ کے افتتاحی خطاب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے سورۃ فاتحہ سے اخذ کر کے بعض دعائیں کثیر التعداد مجمع میں پڑھیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے کشتی نوح میں تحریر فرمایا ہے ''قرآن سکھاتا ہے کہ اپنی دعا کو ہر ایک موقع پر پوشیدہ مت کرو بلکہ تم لوگوں کے رُوبرو اور اپنے بھائیوں کے مجمع کے ساتھ بھی کھلی کھلی طور پر دُعا کیا کرو تا اگر کوئی دُعا منظور ہو تو اس مجمع کے لئے ایمان کی ترقی کا موجب ہو اور تا دوسرے لوگ بھی دُعا میں رغبت کریں۔(کشتی نوح روحانی خزائن جلد نمبر 19 صفحہ نمبر 32)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا:

''الحمد للہ! الحمد للہ!! اے اللہ! ہم ان بے حد و حساب نعمتوں پر تیرا شکر کرتے ہیں جو تو نے محض اپنی ربوبیت اور رحمانیت کے جلووں سے ہمیں عطا کیں۔ہماری دعا ہماری التجا ہمارے عمل ہماری محنت ہمارے مجاہدات انہیں کہاں پا سکتے تھے لیکن اے ہمارے رب! تو اپنے عاجز بندوں کی دعائیں بھی تو قبول فرماتا ہے۔

اے ہمارے مالک! تو عمل اور مجاہدہ پر اپنی رحمت بے پایاں سے ثمرات حسنہ بھی تو مترتب کرتا ہے۔دعا اور سعی پیہم کی ہمیں توفیق عطا کر انہیں قبول فرما اور وہ نعماء ہمیں بخش جو دعا اور مجاہدہ پر عطا کی جاتی ہیں۔ہمیں اپنا حقیقی خادم بنا دے۔صدق و سداد دے حق و صداقت پر ثبات قدم عطا کر۔خوش حال زندگی ہمارے لئے مقدر کر دے اور فلاح اور کامیابی ہمارے نصیب میں کر دے۔آمین۔کبر و غرور تیرے در کے لعین اور دھتکارے ہوئے لیکن تذلل اور انکسار تیرے عرش کی لونڈی ہیں۔اے خدا ہمارے دل کی بھی یہی مکین ہوں۔نیستی ہمارے وجود کی اصلیت اور حقیقت ہے۔اے خدا ہمیں اس حقیقت پر ہمیشہ قائم رکھ نہ ہمارا جوان اپنی قوت پر اترائے نہ ہمارا بوڑھا

اپنی لاٹھی پر بھروسہ رکھے۔ نہ ہمارا عاقل اور فہیم اپنے عقل وفہم پر ناز کرے نہ کوئی عالم فقیہ اپنے علم کی صحت اور اپنی دانائی کی عمدگی پر اعتبار کرے اور نہ ہمارا ملہم اپنے الہام اور کشف یا دعاؤں کے خلوص پر تکیہ کرے کیونکہ تو اے ہمارے ربّ! ہمارے محبوب! جو چاہتا ہے کرتا ہے جن کو چاہے اپنے حضور سے دھتکار دے اور جن کو چاہے اپنے خاص بندوں میں شامل کرے۔

اے ہمارے معبود! ہم تیرے عاجز اور بے مایہ بندے عبودیت تامّہ کے حصول کے لئے سرگرداں، عبادت تو تیری ہی کرتے ہیں لیکن پریشان خیالی اور شیطانی وسوسہ اندازی اور خشک افکار اور مہلک اوہام اور تاریک خیالات کے ساتھ ہم سیلاب کے گندے پانی کی مانند ہیں اور گمان اور ظنّ سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ اے رحمت اتّم! تو اپنے بے پایاں فیض سے خود ہمیں اپنا چہرہ دکھا تا حق ویقین ہمیں نصیب ہو۔

اے ارحم الراحمین! ہم تیری ہی نصرت کے طالب ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں ذوق، شوق، حضور قلب بھرپور ایمان کے ملنے کے لئے تیرے احکام پر لبیک کہنے کی توفیق کے لئے سرور اور نور کے لئے معارف کے زیورات اور حقائق و دقائق کے لباس کے ساتھ دل کو آراستہ کرنے کے لئے تا ہم تیرے فضل تیرے رحم کے ساتھ یقین کے میدانوں میں سبقت لے جانے والے بن جائیں اور اسرار و حقائق کے دریا پر وارد ہو جائیں اے ہمارے رحمٰن! ہوائے نفس کی موجیں ٹھاٹھیں مارتی رہتی ہیں اور ہمیں غرق کرتی رہتی ہیں نفس کے عوارض ایک چکر میں ہیں اور ہوائے نفس کے قیدی ہلاک ہوتے رہتے ہیں اور کم ہیں جو نفسِ امّارہ کی یلغار سے محفوظ رہتے ہوں اے ہمارے رحمان! تو خود ہی ہماری حفاظت کر۔ اے شافی حقیقی! ایک حاذق طبیب کے رُوپ میں ہم پر جلوہ گر ہو۔ ہمیں اپنی طرف کھینچ لے۔ ہمیں اپنے سینہ سے لگا لے تا ہم تیری محبت میں دیوانے مستانے بن جائیں اور سب امراضِ نفس سے شفا پائیں۔ ہمیں سعادت دے اور اس سعادت مندی پر قائم رہنے کی ہمیشہ ہمیں توفیق بخش اور اپنے پاک بندوں میں ہمیں شامل کر لے۔

اے ہمارے ہادی! صراط مستقیم رحمتِ عظمیٰ ہے۔ ہر نعمت کی جڑ اور ہر عطا کا دروازہ ہے۔ اے ہمارے محبوب! اے ہمارے مقصود! سیدھی راہ ہمیں دکھا۔ یہ نہ مٹنے والی روحانی بادشاہت ہمیں عطا کر۔ تیرے تفضلات اور تیری نعماء کا مسلسل ہم پر نزول ہو۔ ان نعمتوں ان فضلوں کو قبول کرنے کے لئے ہمیں تیار کر اور ان کا ہمیں اہل بنا۔ تا اندھیری راتوں کے بعد خوشگوار زندگی اور ظلمات اور تاریکیوں کو دُور کر دینے والا نور ہم پائیں تا اے ہمارے ربّ! ہلاکت سے قبل ہر قسم کی لغزش اور ضلالت سے ہم نجات حاصل کر لیں۔

اے ہمارے ربّ! ہمارے مالک! اپنے ہی فضل سے ہمارے دلوں میں اپنی ذاتی محبت کا شعلہ بھڑکا۔ اپنے نشانوں سے اپنی ہستی پر ہمیں حق الیقین بخش۔ اے ہمارے محبوب! اپنے چہرے سے نقاب اُٹھا اور رُخِ انور کا

ہمیں جلوہ دکھا۔

اے محسن! تیرے احسان کی نوارانی لہریں ہمارے فانی وجود میں کروٹ لیں۔ ہمارا ذرہ ذرہ تجھ پر قربان۔ تیری سوزش محبت ہر وقت ہمارے سینے کو گرماتی رہے۔ تیری عظمت اور تیرے جلال کا جلوہ کچھ اس طرح ہمیں اپنی گرفت میں لے کہ دنیا اور اس کی ہر شے تیری ہستی کے آگے مردہ متصوّر ہو۔ ہر خوف تیری ہی ذات سے وابستہ رہے۔ تیرے درد میں لذّت پائیں اور تیری خلوت میں راحت۔ تیرے بغیر دل کو کسی پہلو کے ساتھ قرار نہ ہو۔

اے ہمارے سچے اور حقیقی محسن! ہمیں اپنی محبت کی نعمت سے مالا مال کر۔ اپنی روح ہم نے تیرے سپرد کی۔ اپنی ہستی تجھے سونپی ہم تجھ سے ہی اپنی محبت کو خاص کرتے ہیں۔ عاجزانہ اور متضرعانہ ہم تیری طرف آتے ہیں۔ تیری رحمت تیری شفقت کے ہم بھکاری ہیں ہم غافلوں کی غفلت کے پردے پھاڑ کر پرے پھینک دے ہماری چال کو سیدھا کر ہماری روح تیری عظمت اور جلال کے خوف سے لرزاں اور ترساں ہے۔ تیری محبت رگِ جان بن جائے۔ محبوب! ہماری مدد کو آ۔ یقین اور ایمان کو پختہ کر ہم پورے دل اپنی ساری خواہشات، اپنی عقل، اپنے اعضا اپنی زمین، کھیتی باڑی اپنی تجارت اور صنعت و حرفت اور اپنے پیشہ سب کے ساتھ کلی طور پر تیری طرف ہی مائل ہو جائیں تیرے سوا سب سے منہ موڑ لیں ہماری نگاہ میں اے ہمارے محبوب! تیرے سوا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ ہم صرف تیری ہی اطاعت اور پیروی کرنے والے ہوں۔

اے خالقِ کُل! اے مالکِ کُل! مال اور صاحب مال پر ہمیں ناز کیوں ہو اور ہم ان کے دھوکے میں کیوں آئیں۔ ہم تو بس تیری بارگاہِ عزّت میں عاجزوں اور مسکینوں کی طرح حاضر ہوتے ہیں دُنیا کو ہم دھتکارتے اور اس سے الگ ہوتے ہیں اور آخرت سے ہم محبت کرتے اور فقط اُسے ہی چاہتے ہیں۔

اے کامل قدرتوں والے! ہمارا توکل صرف تیری محسن ذات پر ہے۔ اے رحمان! ہمارا ذرّہ ذرّہ تجھ پر قربان ہمیں اپنے نور سے منور کر آمین۔

(افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ ربوہ ۲۶ دسمبر ۱۹۶۹ء مطبوعہ الفضل ربوہ ۲۸ جنوری ۱۹۷۰ء)

ماہنامہ انصاراللہ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے انٹرنیٹ پر Online کر دیا گیا ہے۔ اس کا ویب ایڈریس مندرجہ ذیل ہے۔

www.alislam.org\library\periodicals\ansarullah

علی برادران اور جماعت احمدیہ

از: مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب

مولانا محمد علی جوہر کا تعارف و خدمات: مولانا محمد علی جوہر برصغیر پاک و ہند کے نامور سیاسی لیڈر تھے۔ آپ نے بطور صحافی سیاست میں حصہ لیا۔ ریشمی رومال تحریک اور کراچی میں تقریر کے سلسلہ میں قید ہوئے۔ برصغیر کی آزادی، تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون و موالات، ہجرت کے ساتھ وابستہ رہے بلکہ ان تحریکات کو عوام میں مقبول بنانے میں انتھک کوشش اور جدوجہد کی۔ آپ کانگریس کے صدر بھی رہے نہرو رپورٹ کے حامیوں میں سے تھے بطور صحافی ہمدرد اور کامریڈ کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کو ادب سے بھی لگاؤ تھا۔ اس طرح علم و ادب کے ذریعے ملک و قوم کی خدمت کی۔

آپ عبدالعلی خان صاحب کے ہاں 10 دسمبر 1878ء کو کوچہ لنگر خانہ رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بڑے بھائی حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر صاحب رفیق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (ناظر امور عامہ قادیان) اور مولانا شوکت علی صاحب تھے۔ عبدالعلی خان کا انتقال 20/اگست 1880ء کو ہوا۔ مولانا اس وقت صرف دو سال کے تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ایک مدرس سے حاصل کی پھر رامپور میں 1888ء میں جنرل عظیم الدین کے قائم کردہ انگریزی میڈیم سکول جو چھٹی کلاس تک تھا داخل ہوئے۔ 1990ء میں بریلی اور پھر علی گڑھ گئے 1898ء میں علی گڑھ سے بی۔اے فرسٹ ڈویژن میں کیا۔ الہ آباد یونیورسٹی نے انہیں ڈگری دی۔ مولانا محمد علی کے پاس انگلش لٹریچر فلاسفی اور ہسٹری کے مضامین تھے۔

''محمد علی کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا ان کے بڑے بھائی ذوالفقار علی گوہر نواب مرزا داغ کے شاگرد تھے۔ داغ جن دنوں رام پور میں مقیم تھے محمد علی اکثر اپنے بھائی کے ساتھ ان کے ہاں جاتے اور ان کی باتیں بڑے غور سے سنتے۔

بی اماں نے اپنے تینوں بیٹوں (ذوالفقار علی۔ شوکت علی۔ اور محمد علی) کو تعلیم دلوانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ تینوں بھائیوں نے ابتدائی تعلیم بریلی کے ایک سکول میں پائی جہاں دینی تعلیم کا خاص طور پر انتظام تھا۔ بریلی میں تحصیل علم کے بعد تینوں بھائیوں نے علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ علی گڑھ میں ان دنوں علامہ شبلی نعمانی عربی و فارسی کے پروفیسر تھے۔

(نوائے وقت سنڈے میگزین 15 جون 2003ء ص 10)

مولانا کے بڑے بھائی حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر صاحب نے ان سے کہا کہ اگر وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئے تو اسے مزید تعلیم کے لئے لندن بھیج دیں گے۔ مولانا محمد علی صاحب کا داخلہ 6 نومبر 1899ء کو لنکن کالج آکسفورڈ میں ہوا مگر مولانا سول سروس میں کامیاب نہ ہو سکے اور 12 دسمبر 1901ء کو ہندوستان واپس آ گئے اور ریاست رام پور میں محکمہ

تعلیمات میں انسپکٹر آف سکول کے عہدے پر فائز ہوئے۔1902ء میں پھر آکسفورڈ روانہ ہوئے۔مولانا نے آکسفورڈ کے لنکن کالج سے بی۔اے آنرز سیکنڈ ڈویژن میں ماڈرن ہسٹری میں پاس کیا۔1903ء میں رامپور کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ریاست بڑودہ میں محکمہ آبکاری میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔1910ء میں یہاں سے استعفیٰ دے دیا اور ''کامریڈ'' نکالنے کی تیاری کرنے لگے۔1916ء میں رامپور میں نظر بند رہے۔7 جون 1919ء کو انہیں گرفتار کر کے بستول جیل بھیج دیا گیا۔28 دسمبر 1919ء کو جیل سے رہا ہوئے اور سیدھے امرتسر پہنچے۔جہاں مسلم لیگ کانگریس خلافت جمعیۃ العلماء کے اجلاسات ہو رہے تھے۔جلیانوالہ باغ کا حادثہ ہو چکا تھا۔جہاں تحریک خلافت تحریک ہجرت وعدم تعاون موالات کا آغاز ہوا۔اگلے دس سال مسلمانان ہند بالعموم گاندھی کے ہمنوا بنے رہے ہنود کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر جائیں اور جائیدادیں ہندوؤں کے قبضہ میں آجائیں۔اس طرح وہ ہندوستان کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کرنا چاہتے تھے۔اس زمانہ میں کسی بڑے سے بڑے لیڈر کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔حتیٰ کہ قائداعظم کی بات سننے کو کوئی تیار نہیں تھا مسلم لیگ تبھی مردہ ہو چکی تھی اس جوش کے زمانے میں ہوش کی باتیں سننے کی کسی کو فرصت نہ تھی صرف حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے بڑی جرأت سے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ طریق غلط ہے۔آپ ہندوؤں کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔مسلمان ایک طرف تحریک خلافت کے جوش میں ہندوستان سے ہجرت کر رہے تھے اپنی جائیدادوں کو ہندوؤں کے سپرد کر رہے تھے۔دوسری طرف گاندھی نے ہندوستان میں شدھی کی تحریک کا آغاز کر دیا تا کہ بچے کھچے مسلمانوں کو پھر سے ہندو بنا لیا جائے۔اس خطرناک زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت احمدیہ کو میدان عمل میں جھونک دیا اور تحریک شدھی کو ناکام کرنے میں وہ کارنامے معرض وجود میں آئے جس کو مسلمانان ہند و پاک کبھی بھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔

اس نازک دور میں جب جمعیت علماء ہند مسلمانوں میں کانگریس کو مضبوط بنانے میں ہمہ تن مصروف تھی اور ہندو لیڈروں کو بادشاہی مسجد دہلی میں کرسی صدارت پر بیٹھا کر اپنے اجلاسات کر رہی تھی گاندھی نے بڑی ہوشیاری سے مولانا محمد علی جوہر کو کانگریس کا صدر بنا دیا تا کہ مسلمانوں کو باور کرایا جا سکے کہ کانگریس پر تو مسلمان چھائے ہوئے ہیں مگر وہ صدر بے اختیار تھا اصل طاقت اور سیاست تو گاندھی کے پاس تھی جس کے ایک اشارے پر سارے ہندو عمل پیرا تھے۔

نہرو رپورٹ کی منظوری تک مولانا محمد علی کانگریس کے ساتھ تھے مگر اس میں ترمیمات کو جس رعونت سے رد کیا گیا۔اس سے آپ سخت دل برداشتہ ہوئے۔ان پر واضح ہو گیا کہ یہ دونوں قومیں کبھی اکٹھی نہیں رہ سکتیں مگر وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے تفرقات کو انگریز کی سیاست ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' قرار دیتے تھے۔اسی لئے مولانا آخری وقت تک ہندو مسلم کو ملا کر انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔

مولانا محمد علی جوہر کی تحریر و تقریر کی قوت ہندو مسلم اتحاد پر صرف ہوئی۔لیکن دونوں میں اختلافات بڑھتے چلے گئے۔جواہر لال نہرو کے چند جملوں میں ہم اس زمانہ کے حالات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

''اپنے زمانہ صدارت کے بعد محمد علی رفتہ رفتہ کانگریس سے دور ہونے لگے یا شاید ان کے الفاظ میں کانگریس ان سے دور ہونے لگی۔اس میں شاید کسی فرد یا افراد کا قصور نہیں بلکہ ان حالات کا تھا جو ملک میں رونما ہوئے''

(جواہر لال نہرو۔میری کہانی صفحہ ۲۰۴ حصہ اول ۲ جنوری ۱۹۳۶ء)

ان فرقہ وارانہ فسادات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے بہت کوششیں کی گئیں ان میں سے سب سے مشہور وہ کانفرنس تھی جو مولانا محمد علی نے اپنی صدارت کے زمانہ میں 1924ء میں منعقد کی۔یہ کانفرنس دہلی میں گاندھی کے 21 روزہ بھرت کے دوران منعقد کی گئی تھی۔اس کے بعد شملہ اور دوسری جگہوں پر کانفرنسیں کی گئیں۔

عالم نزع کا نغمہ: شمع آزادی کا یہ پروانہ جان لیوا بیماریوں سے تھک چکا تھا مگر فرض پکارتا ہے تو عزیزوں کی مخالفت کے باوجود جان ہتھیلی پر لے کر گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن کا سفر کرتا ہے۔وہاں اس نے برطانوی سامراج کو اس انداز سے خطاب کیا۔

''میں اپنے ملک میں اسی صورت میں واپس جاؤں گا جب ایسی آزادی جس پر آزادی کا اطلاق ہو سکے میرے ہاتھ میں ہو۔میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔میں ایک غیر ملک میں بشرطیکہ وہ آزاد ملک ہو رہنے کو ترجیح دوں گا۔اگر آپ ہندوستان کو آزادی نہیں دیں گے تو آپ کو یہاں میرے لئے قبر کا انتظام کرنا ہوگا۔''

(گول میز کانفرنس ۱۹ نومبر ۱۹۳۰ء)

مولانا محمد علی 1930ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن چلے گئے۔جہاں سے وہ کامل آزادی کا پروانہ لانا چاہتے تھے۔مدینہ اخبار بجنور 5 جنوری 1931ء کی اشاعت کے مطابق انہوں نے پریس کے نمائندوں کو اپنا انٹرویو دیتے ہوئے کہا

''مجھے بیماری نے آدبایا تھا لیکن میں ابھی تک زندہ ہوں اور ہندو مسلمان کو ایک جگہ لانے کا جو کام شروع کیا تھا اسے پھر جاری کر سکتا ہوں''

مولانا نے آگے چل کر فرمایا:

''ہندوؤں کی کثرت جس قدر زیادہ کیوں نہ ہو اسے مکمل اختیار دیے جائیں اور ہر ایک مسلم اقلیت کے حقوق محفوظ رکھے جائیں اور اس طرح مسلم اکثریت کو اختیارات دیئے جائیں اور ہندو اقلیتوں کی حفاظت کی جائے''

مولانا محمد علی اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی لندن میں ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے ایک مسودہ تیار کر رہے تھے جس سے زیادہ ذہن پر بوجھ پڑا اور دماغ کی رگوں سے خون بہنا شروع ہوا۔2 جنوری کو طبیعت خراب ہوئی۔3 جنوری کو بے ہوش ہو گئے۔4 جنوری 1931ء کو ہندوستان کی آزادی کا خواب لئے ہمیشہ کی نیند سو گئے اور بیت المقدس میں آسودہ خاک ہوئے۔

قضا کس پر نہیں آتی یوں تو سب ہی مرتے ہیں
مگر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور ہی تھی

مولانا جوہر اور جماعت احمدیہ: مولانا محمد علی جوہر کے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر (جو ناظر امور عامہ قادیان اور دیگر ممتاز جماعتی عہدوں پر فائز رہے) سے ہمیشہ اچھے تعلقات رہے اور آپ نے کبھی احمدیت کی مخالفت نہیں کی۔ ہمیشہ اپنے بڑے بھائی اور ان کے بچوں کے ساتھ پیار و محبت کا سلوک کرتے رہے۔ عقیدہ کے اختلاف کے باوجود مولانا محمد علی جوہر کی والدہ محترمہ اور اہلیہ وغیرہ قادیان میں تشریف لاتی رہیں اور اپنے بیٹے حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر کے ہاں قیام کرتی رہیں۔ اس سلسلہ میں الفضل میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

''2/ اکتوبر قادیان والدہ صاحبہ علی برادران اور اہلیہ صاحبہ مسٹر محمد علی صاحب مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر ناظر امور عامہ کے ہاں کئی روز سے تشریف لائی ہوئی ہیں۔ جو مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی ہیں۔ (الفضل قادیان 5 اکتوبر 1922ء)

حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر کے صاحبزادے پروفیسر خان حبیب اللہ خان صاحب تعلیم ..... کالج ربوہ بتایا کرتے تھے کہ مولانا محمد علی جوہر اپنے بڑے بھائی صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان کے سامنے ہمیشہ ادب سے بیٹھتے اور دھیمی آواز میں بات کرتے تھے۔ ہم سب بھائیوں سے بہت محبت کرنے والے تھے۔ خاکسار جب علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا تو فرمانے لگے کہ بھائی جان نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے آکسفورڈ تعلیم کے لئے بھجوایا تھا اور تم بھی بی ایس سی کر لو تو میں تمہیں تعلیم کے لئے یورپ بھجواؤں گا۔ میں نے 1930ء میں بی ایس سی کر لی تو حضرت مولانا بہت بیمار تھے۔ پھر چند ماہ کے بعد وفات پا گئے۔ وہ جماعت احمدیہ کی قومی اور ملی خدمات کو سراہا کرتے تھے۔ سیاسی کاموں کے سلسلہ میں جن بزرگوں کا آپ سے واسطہ پڑا آپ ان کا ادب کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔

حضرت مصلح موعود مولانا محمد علی جوہر کی طرز سیاست اور گاندھی کے تحت کانگریس کے تعاون کے مخالف تھے اور آپ نے بار بار گاندھی کے طریقہ کو غلط قرار دیا اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہونا ثابت کیا۔ مگر اس کے باوجود آپ کے دل میں مولانا محمد علی جوہر کے جذبہ آزادی کی بہت قدر تھی۔ مولانا آزادی ہند کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اس وجہ سے حضرت مصلح موعود کے دل میں بھی آپ کی بہت قدر و منزلت تھی جب مولانا قید سے رہائی پانے والے تھے تو اس موقع پر حضرت مصلح موعود نے آپ کے بارہ میں ایک نظم بھی کہی تھی حضرت بھائی عبدالرحمن قادیانی سفر یورپ کی ڈائری میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''حضرت مصلح موعود جب سفر یورپ کے لئے روانہ ہوئے تو اپنے سفر کے چھٹے دن 20 جولائی 1924ء کو بحری جہاز کے عرشے پر ظہر و عصر کی نماز پڑھنے کے بعد حضور نے اپنی ایک پرانی نظم جو حضور نے کئی ماہ پہلے جب مسٹر محمد علی صاحب (شوکت علی) جیل سے رہائی پانے والے تھے لکھی تھی اور ابھی تک ناتمام ہے سنی۔ جس کا مصرع یہ ہے

صید و شکارِ غم تُو مسلم خستہ جاں کیوں؟

دو مرتبہ سنی اور فرمایا یہ نظم مسٹر محمد علی صاحب کے واسطے لکھی تھی۔''

(ڈائری سفر یورپ از بھائی عبدالرحمن قادیانی چٹھی نمبر 1 صفحہ 44 غیر مطبوعہ اصل مسودہ خلافت لائبریری ربوہ میں ہے۔)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سفر یورپ کے بعد 19 نومبر 1924ء کو بمبئی کے ساحل پر اترے تو آپ نے مورخہ 20 نومبر کو کانگریس کے لیڈر مہاتما گاندھی سے ملاقات کی اور ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا جس کا ذکر مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "ہمدرد" نے درج ذیل الفاظ میں کیا۔

"خلیفۃ المسیح اور مہاتما گاندھی کی ملاقات" ہم کو بمبئی سے اطلاع ملی ہے کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب جو جماعت احمدیہ کے پیشوا ہیں اور خلیفۃ المسیح کے لقب سے موسوم کئے جاتے ہیں ولایت سے واپس ہونے کے بعد چند گھنٹوں کے واسطے مہاتما گاندھی سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت اگرچہ بہت سے اصحاب موجود تھے لیکن مہاتما گاندھی ان سے الگ کمرے میں ملنے کے لئے اٹھ آئے اس صحبت میں مرزا صاحب موصوف مفتی محمد صادق صاحب اور مولوی ذوالفقار علی صاحب جماعت احمدیہ میں سے اور مولانا شوکت علی و مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ اشخاص میں سے موجود تھے۔ خاص گفتگو کانگریس کے عقیدے کے متعلق تھی۔ چونکہ جماعت احمدیہ کو ترک موالات کے موجودہ اصول اور طریق پر اعتراض ہے اس لئے مرزا صاحب اپنی جماعت کو شرکت کانگریس کی ترغیب نہیں دیتے لیکن مہاتما گاندھی کی گفتگو سے جب یہ ثابت ہوا کہ کانگریس کا طریق حصولِ سوراج ہے اور مختلف جماعتوں کو اختیار ہے کہ طریقہ سوراج پر اختلاف کر سکتی ہیں۔

نیز اس بات کی بھی کوشش کر سکتی ہیں کہ کانگریسی کو ایسے رستے پر چلنے کی ترغیب دیں تو مرزا صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ کانگریس کے کانسٹی ٹیوشن کو دیکھنے کے بعد وہ غور کریں گے کہ کس حد تک ان کے نقطہ نظر سے وہ قابل عمل ہے اگر کوئی قابل اعتراض نہ ہو تو اپنی جماعت کو بھی شرکت کی اجازت دیں گے۔"

نوٹ: (خلیفۃ المسیح سے مراد احمدیہ جماعت کے پیشوا ہیں۔)

(اخبار ہمدرد 24 نومبر 1924 ص 4 کالم 4 بحوالہ مولانا محمد علی اور جنگ آزادی ص 168-169 از ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی)

اس کے بعد 26 نومبر 1924ء میں پھر ہمدرد نے مرزا صاحب پر ایک طویل کالم لکھا ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ چونکہ وہ کانگریس کے پروگرام سوراج پر غور کر رہے ہیں اس لئے امید ہے کہ وہ اپنی قوم کو اس پروگرام میں شرکت کی اجازت دے دیں گے۔

حضور نے اس ملاقات کا ذکر خطبہ جمعہ میں فرمایا:

"جب میں 1924ء میں ولایت گیا تو لوگوں نے مجھے کہا کہ آپ گاندھی سے کیوں نہیں ملتے؟ آپ ان سے مل لیں۔ اس پر میں نے انہیں تار دی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں وہ شریف آدمی تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس وقت دہلی میں ہوں اس لئے آپ یہیں آ کر مجھ سے مل لیں..... میں نے انہیں لکھا کہ میں دہلی بعض وجوہات کی بنا پر نہیں ٹھہر سکتا اگر بمبئی میں ملاقات کی صورت پیدا ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ گاندھی جی نے میرا اتنا لحاظ کیا کہ بمبئی آ گئے اور وہاں ہماری ملاقات ہوئی۔

جب گاندھی جی نے مجھ سے کہا کہ آپ کانگرس میں شامل کیوں نہیں ہوتے تو میں نے جواب دیا کہ ہم تو مذہبی جماعت ہیں لیکن اگر سیاست کا سوال ہوا تو میں کانگرس میں شامل کیسے ہوسکتا ہوں؟ مسٹر محمد علی جناح کو آپ نے کانگرس سے صرف اس لئے نکال دیا کہ انہوں نے کہہ دیا کہ میں کھدر نہیں پہنتا۔ وہ آپ سے اس بارے میں متفق نہیں تھے ان کا خیال تھا کہ ملک مشینوں کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا جب آپ اس قدر جبر کرتے ہیں تو میں کانگریس میں کس طرح شامل ہوسکتا ہوں"

پھر فرمایا:۔ "کانگرس انڈیا کانگریس نہیں کہلاسکتی۔ وہ ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ کہلانے کی تب ہی مستحق ہوگی جب ہندوستان کے تمام افراد کو اس میں برابر کا حصہ لینے کا اختیار ہوگا"

("لیکچر ہندو مسلم فسادات ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق" صفحہ ۳۷)

حضرت مصلح موعود کانگریس کی خفیہ چالاکیوں سے خوب واقف تھے کہ ہندو کانگریس کس طرح شدھی اور سنگھاٹن تحریکوں کی پس پردہ پشت پناہی کر رہی ہے۔ اس لئے آپ نے کانگریس سے الگ رہنا ہی مناسب سمجھا اور ہندوؤں کے مقابل پر مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے کوششیں تیز تر کردی گئیں اور اس سلسلہ میں مسلم لیگ کی دامے درمے سخنے ہر طرح سے مدد کی۔

مولانا جوہر کے نزدیک تکفیر بازی: حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب کی افغانستان میں شہادت کے سلسلہ میں پنجاب کے اخبارات شاہ افغانستان امیر امان اللہ کے حق میں بیانات شائع کر رہے تھے کہ شاہ افغانستان نے یہ فعل شریعت کے مطابق کیا ہے۔ ایسے میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے اخبارات میں قرآن مجید و احادیث کے حوالے سے اس کا رد فرمایا۔

چنانچہ جناب مولانا محمد علی جوہر نے اس موضوع پر اپنے اخبار ہمدرد میں کئی اقساط میں ایک مفصل مقالہ سپرد قلم کیا جس میں مسئلہ قتل مرتد پر قرآن و حدیث سے بحث کرنے کے بعد لکھا:

"اس وقت احمدیوں کی دو جماعتیں ہیں۔ لاہوری جماعت کے عقائد تو بالکل عام مسلمانوں کے سے ہیں..... اب رہے قادیانی احمدی یعنی مرزا بشیر الدین صاحب کے حلقہ کے لوگ بے شک ان کے عقائد عام مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں اور ہم ان لوگوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مگر باوجود ان کے غلط عقائد کے ان کو کافر و مرتد کہنا صریح ظلم ہے کیونکہ وہ اہل کعبہ ہیں، توحید، رسالت، قرآن اور حدیث کو ماننے اور عبادت و معاملات میں فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو فرض تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں قرآن کو کلام الٰہی اور رسول اللہ کو افضل الرسل و انبیاء مانتے ہیں۔ باقی مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق جو خیال انہوں نے قائم کرلیا ہے وہ ہر اک لحاظ سے غلط و باطل ہے مگر بہر صورت وہ قصور علم و کوتاہی فہم کی وجہ سے ہے۔ وہ آیات و احادیث میں تاویل کرتے ہیں اور مؤول کو آج تک کسی نے مرتد و کافر نہیں کہا۔ مرتد کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا۔ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں کہ کسی ایسے شخص کو وہ مرتد و کافر قرار دے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ قرآن میں یہاں تک ہے کہ ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السلم لست

مومنا ط جو تم کو سلام کرے اس سے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں ۔اگر قصور فہم و تاویلات بعیدہ کی بناء پر کفر و ارتداد کے فتوے نکلنے اور احکام جاری ہونے لگیں تو کوئی فرقہ بھی کفر و ارتداد کی زد سے نہیں بچ سکتا۔.....

اگر مناظرانہ الزامات کفر و ارتداد کو معتبر قرار دیا جائے تو پھر تمام فرقے ایک دوسرے کے نزدیک واجب القتل ٹھہرتے ہیں ۔بہت سے غالی اور متقشف علمائے احناف شیعوں کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔بالخصوص قائلین افک عائشہؓ کو۔اسی طرح شیعہ خوارج کو کافر کہتے ہیں اور مناظرانہ حیثیت میں تمام فرقے ایک دوسرے کے عقائد کو باطل ٹھہراتے اور کفر و ارتداد سے تعبیر کرتے ہیں ۔بریلی دارالکفر سے سینکڑوں علماء حق کی نسبت کفر کے فتوے صادر ہوئے ۔خصوصاً مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سے لے کر حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز تک تمام علمائے دیوبند ان کے نزدیک بالکل ہی مرتد کافر تھے۔کیا یہ سب واجب القتل نہیں ٹھہرتے اور کیا اس طریقہ پر ایک ایسے فتنہ کا.....دروازہ نہیں کھل جاتا جو انتہائی تباہی اور بربادی کا باعث ہوگا" (روزنامہ ہمدرد دہلی 21 فروری 1925ء)

سید رئیس احمد صاحب جعفری نے مولانا محمد علی جوہر کے ان مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"انہوں نے ان دونوں جماعتوں کے افکار و آراء کا مطالعہ کیا اور پھر اپنا نظریہ پیش کیا کہ اسلام میں قتل مرتد جائز نہیں.....اس مسئلہ پر انہوں نے آیات قرآنی، احادیث رسول ﷺ، اقوال فقہاء، خیالات آئمہ، افکار مجتہدین کا اتنا نادر ذخیرہ جمع کرلیا کہ ایک شخص پوری بصیرت کے ساتھ اس مسئلہ پر "ریسرچ" کرسکتا ہے۔اس ذخیرہ سے متمتع ہونے کے بعد اپنی بصیرت کے مطابق ایک رائے قائم کی اور اس پر آخر وقت تک مصر رہے۔" (سیرت محمد علی از رئیس احمد جعفری صفحہ 51)

مولانا محمد علی جوہر صاحب کی سیاسی بصیرت کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں :۔

"چند سال ہوئے ایک دفعہ پٹنہ میں مسلمانوں کی میٹنگ ہوئی اور اس میں ..... بہار کے ایک مولوی صاحب نے اس ذکر کے دوران میں کہ ہندوؤں کو سکھوں سے زیادہ طاقت مل رہی ہے کیونکہ وہ اقلیت میں ہو کر حکومت سے زیادہ حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تمسخر کے طور پر کہہ دیا کہ اس کا علاج آسان ہے ہم بھی احمدیوں کو عام مسلمانوں سے الگ کردیں اور انہیں کہیں کہ وہ حکومت سے زیادہ حقوق کا مطالبہ کریں اس پر مولانا محمد علی صاحب نے جو اس جلسہ کے صدر تھے بڑی سختی سے ان مولوی صاحب کو ڈانٹا اور کہا کہ کیا تم اسلام کے دوست ہو یا دشمن؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں پہلے ہی کافی تفرقہ ہے تم چاہتے ہو کہ ان میں اور زیادہ تفرقہ پیدا کردو"۔

(خطبات محمود جلد 16 صفحہ 282-283)

ہندو مسلم اتحاد کانفرنس: یہ کانفرنس 30 اگست تا 8 ستمبر 1927ء تک شملہ میں جاری رہی اس کا پہلا اجلاس 30 اگست، 7 ستمبر کو دوسرا اجلاس اور 8 ستمبر کو تیسرا اجلاس منعقد ہوا۔اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل ہندو مسلم علماء شامل ہوئے۔

۱۔ قائداعظم محمد علی جناح ۲۔سر عبدالقیوم، سر عمر حیات ٹوانہ، سر ذوالفقار علی خاں، مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی

جوہر، مولوی ظفر علی خاں، پنڈت مدن موہن مالویہ، ڈاکٹر مونجے، لالہ لاجپت رائے، مسٹر سری نواس آئینگر وغیرہ۔ بعض نے ہندو مسلم اتحاد پر غور وخوض کیا۔ 7 ستمبر کے اجلاس میں تجاویز تیار ہوئیں مگر 8 ستمبر کا اجلاس نہ ہوسکا۔

اس کانفرنس کے دوران حضرت مصلح موعود کا قائداعظم محمد علی جناح سے جداگانہ انتخاب کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا۔ قائداعظم اس وقت تک مخلوط انتخاب کے حامی تھے۔ قائداعظم نے جداگانہ انتخاب کو تسلیم کرلیا اور فرمایا جب ہندوؤں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع آئے گا تو میں اس رائے کا خیال رکھوں گا۔

حضرت مصلح موعود نے سفر شملہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''مسٹر جناح اور مولانا محمد علی جوہر سے پچھلے دنوں شملہ میں مجھے شناسائی ہو چکی ہے اور یونٹی کانفرنس اور قانون حفاظت مذاہب کے متعلق گھنٹوں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں مسٹر جناح کو ایک بہت زیرک قابل اور مخلص خادم قوم سمجھتا ہوں اور ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے نزدیک وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے ذاتی عروج کا اس قدر خیال نہیں جس قدر قومی ترقی کا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کو بھی میں نے اُس سے بہت اچھا پایا جیسا کہ سنا تھا کہ وہ ایک دردمند دل رکھنے والے اور محنت سے کام کرنے والے انسان ہیں اور جن مخالف حالات میں وہ کام کر رہے ہیں وہ اس بات کا انہیں مستحق بناتا ہے کہ مسلمان ان کی قدر کریں اور ان کی رائے کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ مجھے ان سے کئی باتوں میں اختلاف رہا ہے لیکن میں ہمیشہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں۔''

(مسلمانان ہند کے امتحان کا.....وقت صفحہ 9۔ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 45)

جماعت احمدیہ کی خدمات کا برملا اظہار: مولانا محمد علی جوہر حضرت مصلح موعود کی خدمت دین کے لئے مصروفیت اور درد دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے اخبار میں درج ذیل الفاظ میں اظہار فرمایا:

''ناشکرگذاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیرالدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کردی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم، تبلیغ وتجارت میں انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وقت دو رنہیں جبکہ.....کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم.....کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمات اسلام کے بلند بانگ و درباطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا۔ جن اصحاب کو جماعت قادیان کے اس جلسہ عام میں جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم وطریق کار پر اظہار خیالات فرمایا۔ شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

(اخبار ''ہمدرد'' دہلی 26 ستمبر 1927ء)

فروری 1928ء کو حضرت مولوی ذوالفقار علی صاحب گوہر کے فرزند رشید پروفیسر خان حبیب اللہ خاں کی بارات میرٹھ گئی تو مولانا محمد علی جوہر بارات میں شامل تھے اس اہم موقعہ پر حضرت حافظ روشن علی صاحب نے مولانا کو احمدیت کے عقائد اور

مسائل سے آگاہ فرمایا اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشق سے لبریز اقتباسات سنائے مولانا محمد علی جوہر حضرت حافظ صاحب کے تبحر علمی سے بہت متاثر ہوئے نیز دوسرے افراد خاندان نے سلسلہ احمدیہ کی عظمت کا اقرار کیا۔ (الفرقان فروری 1960ء)

اسی طرح حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر صاحب اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر کی منجھلی بیٹی کے نکاح کی تقریب میں شرکت کیلئے 1928ء کو دہلی تشریف لئے گئے اس اہم موقعہ پر دعوت الی اللہ کے کام کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔اس کا ذکر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے مولانا ذوالفقار علی گوہر کی وفات کے ذکر میں کیا

(''صدق جدید''۔لکھنو بحوالہ روزنامہ ''ملت'' مورخہ 19 مارچ 1954ء)

حضرت مصلح موعود کی طرف سے تعزیت: مولانا محمد علی جوہر صاحب کی لنڈن سے وفات کی خبر پہنچنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی....کی طرف سے نظارت امور خارجہ قادیان سے حسب ذیل بحری تار مولانا شوکت علی صاحب کے نام ارسال کیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کو مولانا محمد علی کی وفات کی خبر معلوم کر کے جو ایک قومی نقصان ہے بہت صدمہ ہوا ہے۔انا اللہ وانا الیہ راجعون مہربانی فرما کر تمام خاندان سے حضور کی دلی ہمدردی کا اظہار کر دیں۔ (الفضل 8 جنوری 1931ء ص 1)

اگلے دن اخبار الفضل نے مولانا محمد علی جوہر کی وفات پر درج ذیل نوٹ شائع کیا

''گذشتہ پرچہ میں مولانا محمد علی کے لنڈن میں انتقال کی نہایت ہی افسوسناک اور رنج دہ خبر شائع کی جا چکی ہے۔ یہ حادثہ مسلمانان ہند کے لئے ملکی اور قومی لحاظ سے نہایت ہی المناک ہے۔کیونکہ ان کا ایک ایسا ہمدرد اور خیر خواہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا جو نہ صرف اپنے قومی خلوص اور ایثار کے لحاظ سے صف اول میں تھا بلکہ قابلیت اور سیاست والی جرأت اور حوصلہ میں بھی مشہور تھا۔

مولانا محمد علی نے اپنے وطن اور اپنی قوم کی خدمت گذاری کے لئے جو میدان منتخب کیا۔ہر قسم کے مصائب اور مشکلات برداشت کرتے ہوئے اور اپنی عزیز سے عزیز متاع قربان کرتے ہوئے آخری وقت تک مردانہ وار اس میں کھڑے رہے۔حتیٰ کہ اپنی جان بھی اسی میدان میں ملک اور قوم پر نثار کر دی۔

مولانا ایک عرصہ سے بیمار چلے آ رہے تھے اور اکثر اوقات ان کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر چکی تھی لیکن باوجود اس کے جب گورنمنٹ نے انہیں گول میز کانفرنس میں ہندوستان کے سیاسی مسائل کے حل کے لئے مدعو کیا تو اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر اور اپنی تشویشناک صحت کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے ولایت کا دور دراز سفر کرنے اور وہاں کی سردی کا تکلیف دہ موسم گزارنے کے لئے تیار ہو گئے۔پھر نہایت کمزوری اور نقاہت میں روز بروز اضافہ ہونے اور بیماری کے خطرناک صورت اختیار کر جانے کے باوجود اپنی جسمانی اور دماغی طاقتوں کو اپنے اہل وطن کی خدمت میں لگائے رکھا۔حتیٰ کہ وفات سے چند دن قبل یعنی 2 دسمبر 1930ء کو اپنے ڈاکٹروں کی ہدایت کو پس پشت ڈال کر بیس کے قریب مہمانوں کو مدعو کیا اور بستر مرگ پر لیٹے لیٹے تقریر کی جس میں ہندوستان کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینے پر زور دیا۔3 جنوری 1931ء کی رات

کو آدھی رات تک کام کرتے رہے۔ آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے ایک اپیل لکھی جس کا یہ مفہوم تھا کہ ہندو مسلمان اپنے آپ کو دفن کر کے قومیت ہند کے لئے متحدہ کام کریں۔ رات کو اس پر نظر ثانی کر رہے تھے جبکہ آخری وقت آپہنچا اور چند گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد ساڑے نو بجے فوت ہو گئے۔

یہ موت اگرچہ سارے ہندوستان کے لئے نہایت افسوسناک ہے لیکن بہادرانہ موت ہے اور اس قابل ہے کہ ملک اور وطن کے خیر خواہ اور خدمت گذار اس سے خلوص و ایثار کا سبق حاصل کریں۔'' (الفضل قادیان 10 جنوری 1931ء صفحہ 4)

مولانا شوکت علی صاحب: آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس 5 جولائی 1930ء کو شملہ میں منعقد ہوا۔ جس میں پنجاب بمبئی، مدراس، بنگال، یوپی، سی پی اور دہلی سے نمائندہ گان شریک ہوئے مولانا شوکت علی صاحب صدر جلسہ تھے اس کانفرنس میں تین دن تک سائمن رپورٹ نہرو رپورٹ اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس پر بحث و تمحیص کی گئی۔ اور مسلمانوں کے سیاسی کاموں کیلئے ایک فنڈ قائم کرنے پر زور دیا گیا اور اجلاس کے آخر پر مولانا شوکت علی صاحب صدر جلسہ نے جہاں دیگر امور کا ذکر فرمایا وہاں حضرت مصلح موعود کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

''میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب امام جماعت احمدیہ کا خاص طور پر تذکرہ کروں کہ علاوہ مفید مشوروں اور امداد کے اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے دو ہزار روپے کا وعدہ فرمایا اور سات سو روپے اسی وقت مولانا شفیع داؤدی سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خالی خزانے میں داخل کئے۔ (''انقلاب'' لاہور 16 جولائی 1930ء)

مولانا شوکت علی صاحب کے تعلقات اپنے بڑے بھائی اور جماعت احمدیہ سے ہمیشہ اچھے رہے۔ آپ 31 دسمبر 1930ء کو قادیان تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر صاحب ناظر امور عامہ کے ہاں قیام فرمایا۔ آپ نے حضرت مصلح موعود سے بھی ملاقات کی۔ (الفضل 7 جنوری 1931ء صفحہ 1)

اس کے علاوہ آل پارٹیز کانفرنس اور دیگر اجلاسات میں حضرت مصلح موعود سے ملاقات ہوتی رہی اور حضرت صاحب بھی مولانا صاحب کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔

مولانا شوکت علی صاحب کی وفات مؤرخہ 28 نومبر 1938ء کو دہلی میں ہوئی تھی۔ جس پر الفضل نے درج ذیل نوٹ لکھا

''۲۸ نومبر۔ افسوس مولانا شوکت علی آج صبح ساڑھے نو بجے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات سے چند منٹ پہلے آپ اپنے بعض رشتہ داروں کے نام خطوط لکھ رہے تھے ایک دو دوستوں سے باتیں بھی کیں۔ لیکن نو بجے سے ذرا پہلے آپ نے مکان کے سامنے صحن میں دھوپ میں بیٹھنے کی خواہش کی لیکن یہ کہہ کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور پھر نہ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے آپ کا انتقال حرکت قلب کے اچانک بند ہو جانے کی وجہ سے ہوا۔ (الفضل 30 نومبر 1938ء)

نئے پھول

(کلام: مکرم ضیاءاللہ مبشر صاحب)

گلشن میں نئے پھول کھلے ہیں جو سنبھالو

غنچے ہیں، انہیں تیز ہواؤں سے بچا لو

پھینکا ہے جنہیں بادِ مخالف نے زمیں پر

تم اپنا بنا لو انہیں مٹی سے اٹھا لو

چہرے سے غبار ان کے ذرا پونچھ کے دیکھو

مٹی میں چُھپے پھول ہیں سینے سے لگا لو

جو زرد ہوئے، شاخِ شجر تھام رہے ہیں

دو رنگِ بہاراں انہیں رنگین بنا لو

ہر پھول امانت ہے جو گلشن میں کِھلا ہے

ہر پھول سے تم دامنِ گلزار سجا لو

روئیداد زیارت مرکز قادیان

از: مکرم منیر مسعود صاحب لاہور

23 مارچ کا دن جماعتِ احمدیہ عالمگیر کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے خدا تعالیٰ سے اِذن پاکر سلسلہ بیعت کا آغاز فرمایا۔ مجلس انصاراللہ زعامتِ علیا جوہر ٹاؤن لاہور (جس کا خاکسار رکن ہے) نے یہ دن قادیان دارالامان میں منائے جانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ خاکسار کی درخواست پر مکرم جناب امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور نے محترم جناب صدر صاحب مجلس انصاراللہ پاکستان کو اس پروگرام کی ضروری اجازت دینے کی سفارش کی اور انہوں نے ہماری درخواست اپنی سفارش کے ساتھ مزید کاروائی کے لئے نظارت خدمت درویشاں ربوہ کو ارسال کردی۔ جن کی معاونت سے پروگرام کو حتمی شکل ملی۔ سیکرٹری صاحب امور عامہ جماعت احمدیہ لاہور کی کوشش کے بغیر ویزے کا جلد حصول ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جناب سے بہترین جزا دے آمین۔

اس للّٰہی سفر کے لئے 55 (پچپن) انصار و مستورات پر مشتمل قافلہ صدر صاحب حلقہ کی دعا کے ساتھ خاکسار کی قیادت میں مورخہ 22 مارچ 2007ء بروز جمعرات سپیشل بس کے ذریعے جوہر ٹاؤن لاہور سے تقریباً دس بجے صبح روانہ ہوا۔ اٹاری پہنچنے پر قادیان سے سپیشل بس قافلہ کے اراکین کو مرکز لانے کے لئے بھجوائی گئی تھی۔ صدر صاحب مجلس انصاراللہ بھارت اور نائب ناظر صاحب تعلیم نے قادیان پہنچنے پر قافلہ کا استقبال کیا۔ پیشوائی کے لئے مکرم ناظر صاحب امور عامہ، نائب ناظر صاحب امورِ عامہ اور نظارت علیاء قادیان کے نمائندگان اٹاری تشریف لائے۔ نمائندگان کی تشریف آوری سے امیگریشن کے تمام مراحل جلد طے پا گئے اور تقریباً ساڑھے چار بجے شام قادیان پہنچنے پر اراکین قافلہ کو حضرت سیدہ ام طاہر کے مکان اور دارالضیافت میں ٹھہرایا گیا۔ تمام مرد و زن کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے اور اپنی خوش بختی اور زیارت مرکز کی سعادت ملنے پر خدا تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے تھے۔ رات اپنی اپنی قیام گاہوں پر گزارنے اور عبادات بجا لانے کے بعد اگلے روز یعنی 23 مارچ بروز جمعۃ المبارک تمام دوست دارالمسیح کے سامنے نماز فجر ادا کرنے کے بعد جمع ہو گئے۔

ناظرِ اعلیٰ و امیر مقامی جماعت احمدیہ بھارت مکرم محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (جب یہ مضمون لکھا گیا تو آپ حیات تھے) نے بطورِ خاص مکرم مولانا حمید احمد کوثر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان اور مکرم حمید الدین شمس صاحب نائب ناظر تعلیم قادیان کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ اہل قافلہ کو بہشتی مقبرہ قادیان اور مقدس مقامات کی زیارت کروائیں۔ مکرم حمید احمد کوثر صاحب نے بہشتی مقبرہ میں تمام اہل قافلہ کے ہمراہ مزارِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دعا کروانے کے بعد تمام مقدس مقامات اور بہشتی مقبرہ میں مدفون کبار رفقاء کے مزارات دکھائے اور ساتھ ساتھ اس زمانہ کے واقعات اتنے جامع اور مؤثر انداز میں

بیان کئے کہ تمام اراکین قافلہ تصور ہی تصور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پہنچ گئے۔ناشتہ اور تیاری نمازِ جمعہ کے وقفہ کے بعد احباب ومستورات نے جمعہ کی نماز بیت اقصیٰ اور بیت مبارک میں ادا کی۔مکرم کوثر صاحب نے نہایت ایمان افروز خطبہ دیا۔4 بجے شام مجلس انصاراللہ بھارت نے 23 مارچ کے حوالے سے ''سرائے طاہر'' کے خوبصورت لان میں قومی یکجہتی کی خصوصی تقریب منعقد کی۔محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مہمانِ خصوصی تھے لاہور سے آئے ہوئے قافلہ کے اراکین کو بطورِ خاص اس تقریب میں مدعو کیا گیا تھا۔خاکسار کو قافلہ کے امیر کے ناطے سٹیج پر جگہ دی گئی۔مقررین میں گیانی تنویر احمد خادم،مولوی عنایت اللہ منڈاشی،قاری نواب احمد اور مولانا منیر احمد خادم شامل تھے۔خاکسار کو بھی حاضرین سے مخاطب ہونے کا موقع عطا کیا گیا۔

اس موقع پر مہمانِ خصوصی محترم حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم صاحب صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ:

''جن مذاہب کے ماننے والوں کے دلوں میں اس وقت ایک دوسرے کے مذہب کے تئیں نفرت پیدا ہوتی ہے جب دوسرے مذہب کا ماننے والا سامنے والے کے مذہبی راہنما کی اہانت کرے یا اسے چھوٹا سمجھے آپسی پیار اس وقت ہی بڑھ سکتا ہے۔جب ایک دوسرے کے مذہبی راہنما کی عزت کی جائے۔سب سے بڑا مذہبی شخص وہ ہے جو خدا تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔محبت محبت کو کھینچتی ہے نفرت کر کے پیار کی امید رکھنا فضول ہے انہوں نے فرمایا کہ آج کے جدید دور میں سینما تماشوں جیسے فضول کاموں کے لئے لوگوں کے پاس وقت ہے لیکن مذہبی پروگراموں میں شامل ہونے سے لوگ من چراتے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ جماعت احمدیہ نے دنیا میں امن و شانتی کی فضا کا پودا لگایا ہے جو آہستہ آہستہ ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔''

(روزنامہ ''ہند سماچار'' جالندھر 24 مارچ 2007ء)

تقاریر کے بعد سب شرکاء کے لئے ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا یہ انتہائی دلچسپ پروگرام تقریباً دو گھنٹے جاری رہا اس تقریب کی کارروائی کو اگلے دن کے اخبارات خصوصاً ہند سماچار میں خصوصی کوریج دی گئی۔جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔انڈین ٹی وی نے امیر قافلہ کے علاوہ بعض دوسرے اراکین سے انٹرویو بھی لیا جو اگلے دن وقفہ وقفہ سے ٹی وی سے نشر ہوتا رہا۔واپسی پر سب اہل قافلہ نے حضور اقدس کا خطبہ ایم ٹی اے پر لندن سے براہِ راست سنا۔نماز مغرب وعشاء کے بعد بیت اقصیٰ میں یوم مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت ناظر صاحب اصلاح وارشاد نے کی۔مقررین نے اس دن کی اہمیت بیان کی اور بتایا کہ آج سے 118 سال قبل بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس دن جماعت احمدیہ کا جو پودا لگایا تھا۔اس کی شاخیں 187 ممالک میں پھیل چکی ہیں۔اور یہ تناور درخت بن چکا ہے۔اگلے دن صبح بروز ہفتہ 24 مارچ نماز فجر اور بہشتی مقبرہ میں دعا اور ناشتہ کے بعد دارِ مسیح میں تمام اراکین پھر جمع ہوئے۔مکرم حمید احمد کوثر صاحب اور مکرم حمید الدین شمس صاحب نے دارِ مسیح کے تمام

مقدس مقامات جن میں کمرہ پیدائش حضرت مسیح موعود علیہ السلام، بیت مبارک، کول کمرہ، بیت اقصیٰ، مینارۃ المسیح، تمام صاحبزادگان اور سیّد میر ناصر نواب صاحب، نواب محمد علی خان صاحب کی رہائش گاہیں دکھائیں وہ جگہ بھی دکھائی جہاں پر مخالفین نے آپ کے گھر کے راستہ میں دیوار تعمیر کردی تھی تا کہ نمازی بیت الذکر میں نہ جاسکیں۔

مردانہ نشست گاہ کے اس کمرہ میں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک روایت کے مطابق آٹھ ماہ تک مسلسل روزے رکھے اور کثرت درود کے نتیجہ میں عین عالم بیداری میں آپ کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ سب احباب نے مشترکہ طور پر خصوصی دعا کی۔ مقدس مقامات کی زیارت کے بعد اہلِ قافلہ کی ملاقات دارِ مسیح کے ایک حصہ میں مقیم بانی سلسلہ احمدیہ کے پوتے اور امیر جماعت ہائے احمدیہ بھارت مکرم محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سے کروائی گئی جنہوں نے اپنی کوناکوں مصروفیات سے وقت نکال کر پارٹیشن اور اس کے بعد ہونے والے واقعات امیر قافلہ کے سوالات کی روشنی میں نہایت احسن انداز میں بیان فرمائے اور بعض دیگر اراکین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

ملاقات کے دوران آپ نے دو ایسے اہم واقعات بھی بیان فرمائے جو محترم مولانا حمید احمد کوثر صاحب کے خیال کے مطابق شاید پہلے ضبط تحریر میں نہیں آئے۔ ان میں ایک واقعہ جو آپ نے درویشانِ قادیان (وفات پا جانے والوں کے اللہ تعالیٰ درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے اور جو ابھی تک ہمارے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت و عمر میں برکت بخشے اور انہیں اور ان کی اولاد کو اپنے فضائل سے نوازتا رہے) کی قربانیوں کے حوالہ سے بیان فرمایا وہ یہ تھا کہ حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو اور جنت میں آپ کے درجات بلند تر کرتا جائے) ہجرت کے بعد رتن باغ لاہور میں قیام پذیر تھے وہیں آپ کے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر افرادِ خاندان معہ حضرت اماں جان (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) بھی رہائش رکھتے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے ایک دن اپنے ایک صاحبزادے کو کوئی ایسی مزیدار چیز کھاتے دیکھا (اغلباً بسکٹ یا آئس کریم جو درویشانِ قادیان کو میسر نہ تھی) آپ نے ان سے وہ لے لی اور سب کو ہدایت کی کہ آئندہ وہی کچھ کھائیں جو قادیان میں درویشانِ قادیان کو میسر ہے۔

آپ کو اتنا لمبا عرصہ درویشی نصیب ہونا کیسے ممکن ہوا خاکسار کے اِس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تقسیم ہند کے وقت ہجرت کے بعد حضرت مصلح موعود نے بذریعہ قرعہ اندازی خاندانِ مسیح موعودؑ کے افراد کو باری باری حفاظت مقاماتِ مقدسہ قادیان کے لیے مامور کیا۔ کچھ عرصہ تک تو بارڈر سے آر پار جانے پر پابندی نہ تھی اور قافلے بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے جب میری قرعہ اندازی کے ذریعہ اس خدمت کے لیے باری آئی۔ اور قادیان آ گیا تو رات نہایت الحاح سے میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی اے میرے مولیٰ تو مجھے تا دیر یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق بخش اور یہ دعا اس جذبہ اور رقت سے دل سے نکلی کہ نوافل کی ادائیگی کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ میری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت پا گئی ہے۔ چند دن کے بعد اور

باری کے عرصہ کے خاتمہ سے کچھ دن قبل اچانک حکومت ہند نے بارڈر سے آزادانہ آر پار جانے کی ممانعت کر دی اور اس طرح قرعہ اندازی کے ذریعہ درویشان کا تبادلہ بند ہو گیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ حفاظت مقاماتِ مقدسہ کی ذمہ داری دیگر درویشان کے ساتھ اب تک مجھ سے لے رہا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آپ نے نہایت شفقت سے تمام اہل قافلہ کے ساتھ فرداً فرداً تصاویر کے علاوہ گروپ فوٹو بھی بنوایا اور چائے بھی پیش کی۔ آپ نے اس امر پر مسرت اور شادمانی کا اظہار فرمایا کہ جلسہ سے ہٹ کر پارٹیشن کے بعد یہ پہلا وفد ہے جسے قادیان آنے کی توفیق ملی۔ انہوں نے امید ظاہر کی یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ اب جاری رہے گا۔ اس موقعہ پر گھر میں موجود بعض نادر اشیاء خصوصاً وہ میز اراکین کو دکھائی گئی جو حضرت مسیح موعود کے استعمال میں رہتی تھی۔

یہ انتہائی دلچسپ اور ایمان افروز ملاقات دو گھنٹے جاری رہی۔ اس عرصہ میں مستورات نے اندرونِ خانہ سیدہ بیگم صاحبہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ملاقات کے بعد اہل قافلہ کو دیگر اہم مقامات دکھائے جانے کے لئے کاروں اور رویگنوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مکرم حمید احمد کوثر صاحب اور مکرم حمید الدین شمس صاحب نے تمام اہم مقامات جن میں ریلوے اسٹیشن، بیت نور، نور ہسپتال، تعلیم الاسلام ہائی سکول و کالج کی عمارات، نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی کا وہ کمرہ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات ہوئی۔ حضرت مصلح موعود، حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب، حضرت سیدہ اماں جان اور دیگر بزرگانِ سلسلہ کی کوٹھیاں دکھائیں۔ قادیان کے مختلف محلہ جات جن کے نام اب تبدیل کر دیئے گئے ہیں دیکھتے ہوئے واپس دار المسیح پہنچے۔

24 مارچ 2007ء کو صدر صاحب خدام الاحمدیہ بھارت نے قافلہ کے جملہ اراکین کو خدام الاحمدیہ بھارت کی اس تقریب میں مدعو کیا جو اپنی معیادِ تقرر پورا کر کے اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے والے صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ بھارت کے اعزاز میں ترتیب دی گئی تھی۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب تھے۔ تقریب کے بعد حاضرین کی چائے سے تواضع کی گئی۔

تقسیم ہند کے بعد پہلے چند سال تک جن رونگٹے کھڑے کر دینے والے تکلیف دہ مصائب و حالات میں درویشانِ قادیان نے غیر معمولی قربانی دے کر حفاظت مقاماتِ مقدسہ کی اور جن کا ذکر مولانا برہان احمد ظفر صاحب درانی نے اپنی تصنیف ''دورِ درویشی اور درویش'' میں کیا ہے ان کا وافر حصہ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے بھی پایا۔ اس کتاب سے صرف ایک اقتباس میں درج کرتا ہوں تا ہمیں پڑھ کر ان درویشوں کی قربانیوں کا کسی قدر ادراک ہو سکے۔

> ''ویسے تو ہر درویش کی زندگی کے واقعات مختلف ہیں معاشی حالات کے تعلق سے وہ قدرِ مشترک ہیں۔ میں نے ایک درویش سے پوچھا کہ آپ اپنی درویشی کا کوئی ایسا واقعہ بتائیں جو آپ کو کبھی نہ بھولا ہو تو کہنے لگے میری بیوی بیمار تھی، امرتسر ہسپتال میں داخل تھی، دوسرے بچوں کے علاوہ ایک بچہ گود میں تھا۔ بیمار کو علاج کے لیے باہر

لے جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جو بھی پونجی تھی علاج پر لگ کر ختم ہوگئی۔ قادیان واپس آیا تو خالی ہاتھ تھے۔ بیوی کو اگر کچھ نہ ملتا تو بچہ کہاں سے دودھ پیتا۔ خیر بیوی کے لیے کہیں سے دودھ اور بریڈ، رس وغیرہ کا انتظام کر دیا۔ وہ بھی حالات سے واقف تھی۔ میں اس کو کھلا دیتا لیکن دوسرے وقت کا خیال کرتے ہوئے خود نہ کھاتا۔ اُنہیں دنوں مجھ پر ایک چوری کا الزام بھی آ گیا۔ جس کی تکلیف اس فاقہ کشی سے بھی زیادہ تھی۔ دو دن تک کچھ نہ کھایا صرف پانی پر گزارہ تھا۔ تیسرے دن دفتر میں بیٹھا تھا کہ میرے انچارج نے مجھے کہیں چھٹی پہنچانے کے لیے رجسٹر دیا جیسے ہی میں وہ رجسٹر پکڑ کر کھڑا ہوا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور میں چکرا کر گر پڑا اور ساتھ ہی بے ہوش ہوگیا۔ یہ بے ہوشی کسی بیماری کی نہ تھی فاقہ کشی کی تھی جب ہوش آیا تو مجھے دودھ پینے کو دیا گیا ساتھ ہی کچھ رس دیئے گئے مجھے تیسرے دن یہ خوراک ملی تھی۔ میرے ایک دوست اور ساتھی نے میرے حالات کو جان لیا۔ اس پر کچھ گندم کا آٹا وغیرہ انتظام ہوگیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔" ("دور درویشی اور درویش" صفحہ 119، 120)

اللہ اللہ درویشوں کی ایسی قربانیوں کا تصور اس کتاب کے مطالعہ سے بھی صحیح رنگ میں نہیں ہوتا جیسا کہ قادیان کی زیارت اور درویشان سے ملاقات کے بعد ہوا۔

چار روزہ قیام میں تمام اہلِ قافلہ کو مقدس مقامات میں دعائیں کرنے اور اپنی مناجات مولا کریم کے حضور پیش کرنے کی بہت توفیق ملی۔ اور سب نے حسبِ استطاعت روحانیت کی برکات سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اگلے روز بروز اتوار 25 مارچ نماز فجر کے بعد اراکین نے ایک بار بہشتی مقبرہ جا کر الوداعی دعا کی۔ قافلہ کے بیشتر اراکین سپیشل بس کے ذریعہ صبح تقریباً دس بجے واپس پاکستان جانے کے لئے قادیان سے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر ناظر صاحب امور عامہ، ضیافت اور نائب ناظر صاحب امور عامہ اور نائب ناظر صاحب مال (آمد) کے علاوہ صدر صاحب مجلس انصاراللہ بھارت نے اہل قافلہ کو الوداع کہا اور اجتماعی دعا کروائی۔ روانگی پر امیر قافلہ نے قیام وطعام کے مثالی اہتمام، دیگر تمام پروگرام مرتب کرنے اور ان میں شرکت کا بھرپور موقع فراہم کرنے پر جماعت احمدیہ بھارت اور منتظمین کا شکریہ ادا کیا۔ الحمدللہ علی ذالک۔

میں اپنی سفر قادیان کی روئیداد کو رسالہ الفرقان درویشانِ قادیان نمبر کے صفحہ 13 کے اس اقتباس پر ختم کرتا ہوں۔

"مکرمی بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور میرے درویشانِ قادیان کے مضامین سے دوستوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ موجودہ حالات کے نتیجہ میں آج کل قادیان کی زندگی کتنی روحانی فیوض سے معمور ہے گویا اس کے لیل ونہار مجسم روحانی بن چکے ہیں کیونکہ قادیان میں رہنے والے دوستوں کو دنیا کے دھندوں سے کوئی سروکار نہیں اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ روحانی مشاغل کے لیے وقف ہے۔ قرآن حدیث کا درس، نوافل، نمازوں کی برکات اور دن رات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بابرکت گھر اور بیت الدعا اور "بیت" مبارک اور "بیت" اقصیٰ اور بہشتی مقبرہ میں

ذکر الٰہی کے مواقع یہ وہ عظیم الشان نعمتیں ہیں .....اور قادیان کا ماحول ان نعمتوں سے بہترین صورت میں فائدہ اٹھانے کا موقعہ پیش کرتا ہے۔" (منقول از دور درویشی اور درویش صفحہ 110)

الغرض جملہ ممبران قافلہ نے قادیان اور اس کے باہر دوسرے علاقوں کے ماحول کو سرسبز شاداب باغ کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا اور گنجان آبادیہ کی گھٹن کے فرق سے تعبیر کیا اور اپنے وطن کے ہر شہر اور قصبہ میں ایسا روحانی ماحول میسر آنے کی خواہش کی اور اس کے لئے دعائیں مانگتے رہے یہ تازہ اور ٹھنڈی ہوا اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو زیارت مرکز احمدیت قادیان اور ربوہ کے لئے اپنے اہل وعیال کو بار بار لے جانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس ٹھنڈی ہوا سے بار بار استفادہ کرنے کا موقع دے اور عائد پابندیوں کو بھی جلد از جلد ختم کرے اور جس قدر آج روحانی تربیت کے مواقع حاصل ہیں ہمیں اُن سے بھرپور استفادہ کی توفیق بخشے آمین اللھم آمین۔

آخر پر میں اپنی ان گزارشات کو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دل گرما دینے والے اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں آپ نے اہل قادیان کو خراج تحسین پیش کیا۔

خوشا نصیب کہ تم قادیان میں رہتے ہو — دیارِ مہدیٔ آخر زمان میں رہتے ہو
خدا نے بخشی ہے "الدار" کی نگہبانی — اُسی کے حفظ اُسی کی امان میں رہتے ہو
فرشتے ناز کریں جس کی پہرہ داری پر — ہم اُس سے دور ہیں تم اس مکاں میں رہتے ہو

نصاب سہ ماہی سوم

(جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء)

1- ترجمہ قرآن کریم پارہ نمبر 6 نصف اوّل

2- کتاب "ضرورۃ الامام" از حضرت مسیح موعود علیہ السلام (روحانی خزائن جلد ۱۳)

3- کتاب "ہستی باری تعالیٰ" از حضرت مصلح موعود نصف آخر (انوار العلوم جلد ۶)

ماہنامہ انصاراللہ

کیا آپ نے ماہنامہ انصاراللہ کا چندہ ادا کر دیا ہے؟ براہ کرم اپنے شکریہ کا موقعہ دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء نیز اپنے پتہ میں کسی بھی تبدیلی کی صورت میں دفتر ہذا کو مطلع فرمائیں۔

مینیجر ماہنامہ انصاراللہ

رُخ سوئے کوئے یار کر لینا

(کلام: مکرم طاہر عارف صاحب)

زندگی پُر وقار کر لینا
جان ہنس کر نثار کر لینا

دَور بے مہر ہے مگر پھر بھی
راستی اختیار کر لینا

عشق کی ناؤ میں کبھی چڑھ کر
بحرِ ادراک پار کر لینا

دل ناداں اگرچہ بہکائے
پھر بھی اعتبار کر لینا

نقد سودا ہو تو بھلے ورنہ
زندگانی ادھار کر لینا

چاہے معلوم بھی نہ ہو پھر بھی
یونہی الزام اپنے سر لینا

جب بھی مشکل مقام آ جائے
رُخ سوئے کوئے یار کر لینا

انتقام اس سے بے وفائی کا
زندگی اس پہ وار کر لینا

اس کی اِک اِک ادا پہ تم طاہر
دل فدا بار بار کر لینا

بھوشیہ مہاپران اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

از: مکرم شیخ مجاہد احمد شاستری صاحب قادیان

(گذشتہ سے پیوستہ)

ا۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1903ء میں ذکر فرمایا کہ ہندوؤں کے پاس ایک کتاب ہے جس میں شہزادہ نبی کا ذکر ہے اور بھوشیہ مہاپران 1910ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا ہے۔عین ممکن ہے کہ ہندوؤں کی دیگر کتب میں بھی شہزادہ نبی کا ذکر ہو کیونکہ ہندوؤں کی مستند کتب میں سے بعض ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکی ہیں۔

اس بات کی طرف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک اور عبارت مزید روشنی ڈالتی ہے۔آپ بیان فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افغانستان سے ہوتے ہوئے پنجاب کی طرف آئے اور اس ارادہ سے کہ پنجاب اور ہندوستان دیکھتے ہوئے پھر کشمیر کی طرف قدم اٹھاویں۔......سو جیسا کہ اس ملک میں پرانی تاریخیں بتلاتی ہیں یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت مسیح نے نیپال اور بنارس وغیرہ مقامات کا سیر کیا ہوگا۔''
(''مسیح ہندوستان میں'' روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 69)

۲۔سنسکرت میں اصل حوالہ کے چند ایک الفاظ قابل غور اور وضاحت طلب ہیں۔مثلاً

ہم تنگم، سمایيو، ھون دیش، پُرشم شُبھم، شویت وسترم، ملیچھ ستھانم، نرمریادے، شالی واھن۔

آیئے ان پر غور کریں۔

ہِم تُنگم: اصل حوالہ میں جائے ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور راجہ شالی واھن ہم تنگم دی گئی ہے۔لیکن تراجم میں مترجمین نے اپنی طرف سے مقام وین یا وون دیا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے جہاں ملاقات ہوئی ہے؟ ہِم تُنگم کے لغوی معنی ہیں ہم یعنی برف اور تنگ یعنی پہاڑ کی اونچی جگہ، چنانچہ ہم کا لفظ ہمالیہ یعنی ہم + آلیہ (برف کا گھر) میں بھی استعمال ہوتا ہے۔''تنگ'' کے معنی پدم چندر کوش صفحہ 232 پر مندرجہ ذیل ہیں۔پہاڑ، کیسر کا درخت، ناریل، اُونچا، اونچائی والا۔اسی طرح سنسکرت ہندی کوش مرتبہ وامن شورام آپٹے لفظ تنگ کے تحت لکھتے ہیں۔

اونچا۔اونچائی والا۔لمبا۔چوٹی۔گنبدار۔جوشیلہ وغیرہ۔

ڈکشنریوں کے مندرجہ بالا معنوں کی رو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم تنگم ہمالیہ پہاڑ کی کوئی چوٹی ہے

جو خاص اونچی اور کسی قدر گنبد دار ہے اور یہ چوٹی دیگر چوٹیوں کی نسبت خاص مرتبہ رکھتی ہے کیونکہ تنگ کا لفظ اولیت وفوقیت پر بھی استعمال ہوتا ہے ملاحظہ ہو سنسکرت کے مشہور شاعر کالی داس کا ''مہا کاویہ رگھونش'' سرگ ۴ شعر ۳۔

ان معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ قرآن مجید کی یہ آیت کس شان سے پوری ہوتی ہے۔

وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (سورۃ مومنون آیت 51)

یعنی ہم نے ان دونوں کو ایک بلند مقام کی طرف پناہ دے دی جو آرام والی اور چشموں والی جگہ ہے۔

سَمَایَیَوْ: ڈاکٹر شوناتھ شاستری جی نے اس کا ترجمہ Went کیا ہے مکمل سطر کا ترجمہ ہے One day he went to a country in the Himalayas بے شک یہ ترجمہ انگریزی درست ہے لیکن لفظ سَمَایَیَوْا اپنے اندر مزید وضاحتیں رکھتا ہے۔قبل اس کے کہ خاکسار اس بارہ میں کچھ عرض کرے۔سنسکرت گرامر کا ایک قاعدہ بیان کرنا چاہتا ہے۔

سنسکرت زبان میں ماضی کے اظہار کے لئے تین طریقے ہیں۔اوّل ماضی قریب۔دوئم ماضی بعید۔سوئم ماضی پروکھش، ماضی پروکھش اس جگہ استعمال ہوتا ہے جو انسان نے خود نہ دیکھا ہو لیکن وہ ہوا ضرور ہو۔مثلاً سنسکرت میں ایک جملہ ہے۔جس کا ترجمہ ہے رام راجا تھا لیکن پروکھش نے مکمل تصدیق سے بات بیان کی ہے جس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اب لفظ سَمَایَیَوْ پر غور کریں۔یہ لفظ ماضی پروکھش یعنی لِٹ لکار کا ہے اور سم+آ+یَیَوْ سے مل کر سَمَایَیَوْ بنا ہے۔اس کا مصدر یا پر اپنے یعنی جانا ہے۔یہ مصدر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس آدمی کے لئے یہ مصدر استعمال کیا جاتا ہے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے۔یہ مصدر پر سمے پدی یعنی متعدی ہے اور رباب ادادی گن سے ہے۔اس مصدر یعنی ''دھاتو'' سے فعل لٹ لکار یَیَو یعنی وہ جاتا ہے بنا ہے۔

سنسکرت زبان کا ایک دوسرا اصول اس فعل کے ساتھ کام کر رہا ہے۔اور وہ ہے ''اُپ سرگ'' کا قاعدہ۔ قارئین کے علم کے لئے بتاتا چلوں کہ سنسکرت میں 22 اُپ سرگ ہیں جو مصدر کے ساتھ جوڑ کر اُس کے معنوں پر تین عمل کرتے ہیں۔(۱) فعل کا مطلب مکمل بدل دیتے ہیں (۲) فعل کے معنوں میں خوبی وخصوصیت پیدا کر دیتے ہیں۔ (۳) فعل کا ہی مطلب دوبارہ پیدا کر دیتے ہیں۔علی الترتیب مثال دیکھیں جے مصدر سے اُپ سرگ سے وجے بمعنی جیت پر''اُپ سرگ لگنے''پر''یعنی ہار دوسرا گم دھاتو سے گمنم ،انوگمنم یعنی پیچھے پیچھے جانا۔تیسرا یعنی وس (رہنا) دھاتو سے وستی ،ادھی وستی ،وغیرہ بنتے ہیں۔یَیَو فعل کے ساتھ اُپ سرگ آ لگنے پر آیَیَو بنا اور معنی مکمل طور پر بدل گئے بجائے جانا کہ مطلب ہوا اچھی طرح آنا۔اس مطلب کو مزید شدت دینے کے لئے ایک اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ ایک اور اُپ سرگ سم کا استعمال کیا گیا ہے۔سم اُپ سرگ کے متعلق سنسکرت ہندی کوش صفحہ 1072 ناشر نیو کارپوریشن دلی میں لکھا ہے کہ

(ترجمہ ناقل) ''مصدر یا کردنت کے پہلے اُپ سرگ کے طور پر جڑ کر اس کے مندرجہ ذیل مطلب ہوتے ہیں۔
(الف)(۱) کے ساتھ مل کر (۲) ساتھ ساتھ جیسے سنگم سنبھاشن (ب) کبھی کبھی یہ مصدر کے مطلب کو مزید ظاہر کر دیتا ہے اور اُس کا مطلب ہوتا ہے (۱) بہت، بالکل، خوب، مکمل، انتہائی جیسے سنتوش (۲) کبھی کبھی اس کا مطلب ہوتا ہے قریب نزدیک جیسے سمکھش۔

لفظ سَمَایَیُوْ کی گرامر کی بحث کو زیر غور رکھیں اور دیکھیں کہ کس صداقت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہندوستان آمد کی خبر دی جارہی ہے۔ پہلے تو ''آ'' اُپ سرگ نے معنی کو اچھی طرح آنے پر ظاہر کیا دوسرا اسم اُپ سرگ نے مکمل اور بہترین طریق پر حضرت مسیح کی آمد پر گواہی دی ہے۔ یعنی آپ مکمل اور ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کر کے ہند میں آ گئے تیسرا مطلب یعنی کبھی کبھی اس کا مطلب ہوتا ہے قریب نزدیک۔ اس سارے واقعہ کے راوی رشی سوت پر صادق آتا ہے۔ یعنی سوت رشی جو اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں وہ اگر واقعہ کو کشفی طور پر دیکھ رہے ہیں تو بالکل نزدیک واقعہ ہونے والا ہے اور اگر اُن سے پہلے واقعہ ہو چکا ہے تو بالکل قریب و نزدیک کا یقینی واقعہ ہے۔

عین ممکن ہے کہ کوئی خیال کرے کہ راجہ کے لئے سمایو فعل کا ذکر ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے پس عرض یہ ہے کہ بے شک راجہ اوّل مخاطب ہے لیکن اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فعل دلالت کر رہا ہے کیونکہ واقعہ میں راجہ کے واپس آنے کا ہی ذکر ہے جبکہ سم اچھی طرح پر دلالت کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ ہی اچھی طرح وہاں یعنی کشمیر گئے تھے۔

ھُوْن دیش: بھوشیہ مہاپران کے راوی رشی سوت نے مذکورہ واقعہ ساکا راجہ اور جناب مسیح علیہ السلام کی ملاقات کی جگہ ھُن بیان کی ہے۔ چنانچہ اصل الفاظ ہیں ''ھُون دیشش مدھے۔ سوال یہ ہے کہ ھون کون تھے اور اُن کے دیش سے کیا مراد ہے؟

قارئین! ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ برصغیر میں پہلا چکرورتی راجا اشوک ہوا ہے جس کا خاندان ''موریہ'' Morya کہلاتا ہے۔ موریوں کا زوال شنگ Shugh خاندان کے ذریعہ ہوا اور اُن کے بعد تیسری صدی عیسوی میں گپت خاندان کا عروج ہوا ہے۔ گپتوں کے مشہور راجاؤں میں چندر گپت، اسکندھ گپت وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔ ھون وہ قوم ہے جس کے ذریعہ گپت سلطنت کا خاتمہ ہوا ہے۔

یوں تو برصغیر پر اس نے باقاعدہ حملہ چوتھی صدی عیسوی میں کیا ہے۔ اس حملہ کا کچھ ذکر مشہور سنسکرت شاعر کالیداس نے اپنے ڈرامہ ''مالویکا اگنی متر'' میں کیا ہے لیکن یہ قوم کشمیر پنجاب و پشاور کے سرحدی علاقہ پر سینکڑوں سال قبل مسیح سے منڈلانے لگی تھی اور بھوشیہ مہاپران کی مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد مسیح میں یہ قوم

کشمیر میں اس کثرت سے آباد ہوگئی تھی کہ ہمالیہ کا یہ علاقہ ھُون دیش کے نام سے موسوم ہوگیا تھا۔

ھن یا بنی اسرائیل: ھن قوم کے متعلق مورخوں کی رائے یکساں نہیں ہے اور عموماً اکثر کی رائے یہ ہے کہ وہ جنگجو اور جفاکش ضرور ہے مگر حکمرانی کے اوصاف اُن میں کم تھے۔ اُن کے قول و فعل میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا یہ لوگ ٹڈی دل کی طرح مشرقِ وسطیٰ سے نکل کر آئے اور جہاں رہائش کے قابل جگہ ملی وہاں رہنے لگے۔ جب آبادکاری ان کا مسئلہ بن گیا تو یہ دریائے گنگا کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں پنڈت جواہر لال نہرو کی کتاب ''بھارت ایک کھوج'')

ھنوں کی یہ حالت بنی اسرائیل کے قبائل سے ملتی جلتی ہے جن کو بخت نصر نے ایشیائے کوچک اور وسط ایشیاء کے مختلف مقامات میں بکھیر دیا تھا اور پھر تاریخ اُن قبائل کے متعلق کوئی مستند خبر نہیں دے پائی۔ عین ممکن ہے کہ یہ قبائل تاریخ میں کسی اور نام سے متعارف ہو گئے ہوں۔ چنانچہ علم لسانیات کی رو سے جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی قومیں بعض حروف صحیح تلفظ کے ساتھ ادا نہیں کر پاتیں مثلاً پنجابی زبان میں غین کو گاف سے قاف کو کاف سے د، ز، ض، ظ کو جیم سے اور ف کو پ سے بدل دیا جاتا ہے اور غیر زبان کے حروف ادا کرتے ہوئے متعدد حروف حزف کر دیئے جاتے ہیں مثلاً غلام محمد کو گاما، فضل الدین کو پھجل دین، فضل الحق کو پھجل ھک کہتے ہیں اور معراج الدین کو ماجا کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہ امر بہت ہی قرین قیاس ہے کہ ہون قوم کی اصل بنی اسرائیل ہو بہرحال ابھی اس معاملہ میں مزید تحقیقات کی بہت گنجائش باقی ہے۔

قارئین! بخت نصر نے جن قبائل کو بکھیر دیا تھا اُن کے متعلق امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

''واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بد بخت قوم (بنی اسرائیل۔ ناقل) کے ہاتھ سے نجات پا کر جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اس ملک میں خدا تعالیٰ نے ان کو بہت عزت دی اور بنی اسرائیل کی وہ دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آ کر اُن کو مل گئیں۔'' (''مسیح ہندوستان میں'' روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 53)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ملک پنجاب (پنجاب سے آج موجودہ دورہ کا پنجاب مراد نہیں بلکہ متحدہ پنجاب ہندو پاک مراد ہے۔) میں بنی اسرائیل آباد تھے اور تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ پنجاب کا علاقہ ہنوں کا ایک بنیادی مرکز تھا چنانچہ مشہور ھن راجا مہرکل کی راجدھانی سیالکوٹ کے قریب تھی اور مشہور راجہ مناڈر کی راجدھانی ''ساکلی'' یعنی سیالکوٹ تھی ضمناً بتاتا چلوں کہ راجا مناڈر کے واقعات بدھوں کی مشہور کتاب ''ملند پنھا'' میں بکثرت موجود ہیں۔

ایک دوسرا اہم سوال جو ہمارے لئے قابل غور ہے وہ یہ کہ ایک مکمل قوم جو دس قبیلوں پر مشتمل تھی کس طرح تاریخ میں اپنی پہچان کھو گئی؟ کیا اُس قوم نے اپنی بقا اور قومی پہچان کی زندگی کے لئے جدوجہد نہ کی تھی؟ اگر اُس قوم

نے اس قسم کی کوئی کوشش کی تھی تو کیا وہ ثبوت دستیاب ہیں؟

قارئین یہ ایک وسیع مضمون ہے اور میرے اصل مضمون کی شق ھُون دیش کے تعیّن سے مضمون ذرا دور ہوتا جا رہا ہے لیکن چونکہ اس سوال سے بھی ہون دیش کے بارے میں ایک تعین کی گنجائش موجود ہے۔اس لئے مختصراً ایک دو باتیں عرض خدمت ہیں۔

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ

''سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بد بخت قوم کے ہاتھ سے نجات پا کر جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اس ملک میں خدا تعالیٰ نے اُن کو بہت عزت دی اور بنی اسرائیل کی وہ دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آ کر اُن کو مل گئیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس ملک میں آ کر اکثر اُن میں سے بدھ مذہب میں داخل ہو گئے تھے اور بعض ذلیل قسم کی بت پرستی میں پھنس گئے تھے۔''

(''مسیح ہندوستان میں'' روحانی جلد 15 صفحہ 53)

مندرجہ بالا حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی اکثریت بدھ مذہب میں شامل ہوگئی تھی صوبہ پنجاب کی تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ پنجاب میں ایک زمانہ میں بدھوں کا بول بالا تھا۔چنانچہ جالندھر میں بدھوں کا مشہور مٹھ تھا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بنی اسرائیل کی طرف سے جب اُن کی قوم کی اکثریت بدھ مذہب میں داخل ہو رہی تھی کوئی مزاحمت نہ ہوئی؟ اور انہوں نے اپنی قوم کو بچانے کے لئے کوئی کوشش نہ کی؟

جواباً عرض ہے کہ بنی اسرائیل بخت نصر کے جلاوطن کر دینے کے سبب چونکہ اپنے مذہبی رہنماؤں سے بچھڑ چکے تھے اور جنگجو قوم میں تبدیل ہو گئے تھے اس لئے مذہبی معاملہ میں جو احتیاط کے پہلو ضروری ہیں اُن میں اُن کی طرف سے کوتاہیاں ہوئیں۔اور قوم کی اکثریت غلط راہ پر چل نکلی۔یہی حالت رومی قوم کی ہوئی اور خلافت کے بعد مسلمانوں کے مسلسل فاتح ہونے کے وقت جو بعض غلط عقیدے اسلام میں داخل ہوئے وہ بھی اس امر کا ثبوت ہیں کہ مذہبی معاملات میں ذرا سی غلطی بعض دفعہ قوموں کے عقائد و اعمال کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔اس کے باوجود تاریخ اس امر پر بھی کافی روشنی ڈالتی ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنی بقاء کے لئے جدوجہد کی تھی۔چنانچہ مشہور سیاح ھوین سوانگ اپنے سفرنامہ میں بعض واقعات بیان کرتا ہے جو ہماری مدد کرتے ہیں۔

یہ سفرنامہ کتاب ''سی یوکی'' کے نام سے شائع شدہ ہے اور اس کے انگریزی مترجم بیل صاحب ہیں۔جلد اوّل صفحہ 156-150 مطبوعہ 1996ء میں ہوین سانگ نے ''جو۔کی۔لو۔ٹو۔قوم'' کا ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ

''وہ ایک ادنیٰ درجہ کی قوم ہے جو زمانہ قدیم سے کشمیر میں آباد ہے اور بدھوں کے خلاف ہے۔اس کے متعلق کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا بہت مشکل ہے۔ان کے اس نام کا ترجمہ عام طور پر کرتیہ کیا جاتا ہے لیکن اُس کا ذکر کہیں

اندرون ملک کی تحریرات میں نہیں پایا جاتا۔ جرنل کنگھم نے اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ 94 پر لکھا ہے کہ ان سے مراد "کیر" قوم کے لوگوں سے ہے لیکن اس کی تائید میں کوئی خاص شہادت موجود نہیں ہے۔"

مشہور آریہ سکالر ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ "راج ترنگنی" کے ترجمہ جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

"وراہ مہر کی برھت سنگھتا کے ادھیائے 14 شلوک 29 میں "کیر" ایک نسل کا نام ظاہر کیا گیا ہے۔ جو شمال مشرق میں کشمیریوں ابھیسروں اور روردوں کی مانند آباد تھی بعض لغت دانوں کا خیال ہے کہ "کیر" کشمیریوں ہی کا دوسرا نام ہے لیکن اس شلوک (شلوک وراہ مہر۔ ناقل) سے اس بارہ میں ہر قسم کے شکوک کا رفع ہو جاتا ہے۔ اس امر کی تصدیق کہ کیر کا نام نواحات کشمیر کی کسی قوم یا قبیلہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ السّت کے زمانہ کی چمبہ کی ایک تانبہ کی پلیٹ سے ہوتا ہے جسے پروفیسر کیل ہورن نے کتاب انڈین اینٹی کویئز کی جلد 17 صفحہ 7 پر شائع کیا ہے۔ اس میں کیروں پر سھل دیوی ایک فتح کا ذکر ہے جس کا نام اس جگہ درگروں یعنی ڈوگروں اور ترگرتیوں کے درمیان آیا ہے۔ یہ امر واقعہ عجیب ہے کہ کشمیر کی دیگر کتب میں اس قوم کے متعلق اور کوئی حوالہ نہیں پایا جاتا۔

(بحوالہ مکمل راج ترنگنی مترجم ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ صفحہ 372 نوٹ نمبر 936 مطبوعہ 1912ء باراول سیوک سٹیم پریس لاہور)

بہرکیف ھوین سانگ کے حوالہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کشمیر میں ایک قوم ایسی بھی موجود تھی جو بدھوں کی مخالف تھی اور اُس قوم کی اصل تاریخ ہندوستان سے جڑی ہوئی نہیں تھی عین ممکن ہے کہ وہ قوم بنی اسرائیل کا ہی کوئی قبیلہ ہو۔ مختصر یہ کہ ابھی اس معاملہ میں مزید تحقیق کی گنجائش ہے۔

شکادھیش: قارئین! بھوشیہ مہاپران میں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی جائے ملاقات "ھون دیش مدھیہ" ذکر کی گئی ہے۔ وہاں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو "شاکا" یا شاکا قوم کا راجہ لکھا گیا ہے۔ یہاں یہ امر مدنظر رہے کہ ہندوستانی لٹریچر میں شاکا نام جہاں ساکا قوم کے لئے استعمال ہوا وہاں ہر باہر سے آنے والی قوم کو بھی ساکا نام دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ساکا قبائل بڑے وسیع پیمانہ پر شمالی ہندوستان میں آبسے اور مقامی آبادی میں گھل مل گئے۔

تاریخ میں بعض مورخوں نے "ھون" اور شاکا الگ الگ قومیں بیان کی ہیں جبکہ بعض انگریز مورخ ان کے لئے "انڈوساکا" یا "انڈوستھین" کی ٹرم استعمال کرتے ہیں اور ہر تازہ وارد ساکا نام سے موسوم ہوتا رہتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہر باہر سے آنے والی قوم کو ساکا پکارا جانے لگا۔ چنانچہ سائرس کو بھی ہندوستانی لٹریچر میں ساکا قرار دیا گیا ہے۔ کشان بھی کئی دفعہ ساکا کہلائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو بھی ساکا کے نام سے پکارا گیا۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھیں Anciant India مصنفہ ٹی ایل شاہ حصہ سوم صفحہ 88 حاشیہ 273

چنانچہ مورخ ونسنٹ اے سمتھ اپنی تاریخی کتاب Anciant and Hindu India صفحہ 124 میں لکھتا ہے کہ

"Indian used the term veguely to denote foreigh from beyond pases"

یعنی ہندولٹریچر میں ساکا کی اصطلاح ہر باہر سے آنے والی قوم کے لئے مستعمل ہے۔اس وضاحت کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کریں کہ ہندوستان کے بنی اسرائیل جو اکثر بدھ مذہب میں داخل ہو چکے تھے اُن کی ہدایت کے لئے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام باہر سے ہندوستان تشریف لائے اس لئے اُن کو ساکا قرار دے کر ساکا قوم کا راجہ قرار دیا گیا ہے۔

کشمیر کی تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام یہاں شہزادہ نبی اوریوز آسف کے نام سے مشہور تھے۔بنی اسرائیل کے لئے آپ مسیح موعود تھے۔اور بنی اسرائیل میں مسیح اُن کے بادشاہ کا لقب ہے اور بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی انبیاء بنی اسرائیل مجازاً ''ابن اللہ'' کہلاتے تھے اسی وجہ سے آپ کو مذکورہ بالا حوالہ میں شکادھیش یعنی شک قوم کا راجہ قرار دیا گیا ہے اور راجہ کے سوال کرنے پر آپ جواباً پہلے کہتے ہیں یعنی میں ایش پتر (یعنی ابن اللہ) ہوں۔

ہندوستان کی قدیم تاریخی کتاب ''راج ترنگنی'' سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں بنی اسرائیل موجود تھے۔اسی طرح علامہ ابوریحان البیرونی اپنی معرکۃ الآرا کتاب کتاب الہند میں لکھتے ہیں:

''اھل کشمیر اپنے ملک کے دروازوں اور راستوں پر ہمیشہ سخت پہرہ رکھتے ہیں جس سے اُن کے ساتھ کسی قسم کی تجارت کرنا مشکل ہے قدیم وقتوں میں وہ ایک دو غیر ملکیوں اور خاص کر یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دیتے تھے۔''

(کتاب الہند جلد اوّل صفحہ 206 بحوالہ راج ترنگنی انگریزی۔ترجمہ از پنڈت رنجیت سیتارام صفحہ 446 حاشیہ)

حضرت مسیح ناصری کی شاہانہ عزت واکرام کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''یقین ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے اس ملک میں آ کر شاہانہ عزت پائی اور غالباً یہ سکہ ایسے بادشاہ کی طرف سے جاری ہوا ہے جو حضرت مسیح پر ایمان لے آیا تھا.....سو ان سکوں سے ثابت ہوا کہ.....وہ فوت نہ ہوا جب تک اس کو ایسی شاہانہ عزت نہ دی گئی۔'' (''مسیح ہندوستان میں'' روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 53)

پُرشَم شُبَھم . شویت وسترم: احادیث میں حضرت مسیح ناصری کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رأیت عیسی و موسیٰ فاما عیسیٰ فاحمر جعداً عریض الصدر۔

(بخاری کتاب الفتن باب ذکرالدجال)

یعنی میں نے کشف میں عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام دونوں کو دیکھا عیسیٰ تو سرخ رنگ کے تھے اور اُن کے بال گھنگھریالے تھے اور سینہ چوڑا تھا۔

بھوشیۂ مہاپران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جو فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں ''ایک خوبصورت آدمی جس کا رنگ گورا سفید لباس اختیار کئے دیکھا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خوبصورت تھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ بنی اسرائیل اپنے علاقہ اور نسل کی وجہ سے خوبصورت ہوتے ہیں۔ اُن کا رنگ گورا بیان کیا گیا ہے۔ سفید رنگ والے آدمی میں خون کی زیادتی ہونے سے ایک لالی دوڑتی نظر آتی ہے اور اس وجہ سے وہ سرخ رنگ کا نظر آتا ہے اسی لئے بھوشیۂ مہاپران نے حضرت عیسیٰؑ کو پرشم شبھم کہا ہے راجہ شالی واھن نے جس آدمی سے ملاقات کی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اس پر مزید ثبوت سفید لباس کا ہونا ہے کیونکہ قدیم دستاویزوں میں جو ''واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت'' کے نام سے چھپے ہیں۔ حضرت مسیح ناصری کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے سلسلہ میں واقفین کے لئے سفید لباس کا پہننا ضروری تھا۔

(اردو ترجمہ صفحہ 23)

انجیل مرقس کے ایک مکاشفہ میں بھی آپ کے سفید اور براق لباس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

''چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور یوحنا کو ہمراہ لیا اور ان کو الگ اونچے پہاڑ پر تنہائی میں لے گیا اور اُس کے سامنے اُس کی صورت بدل گئی اور اُس کی پوشاک ایسی نورانی اور نہایت سفید ہوگئی کہ دنیا میں کوئی دھوبی ویسی سفید نہیں کرسکتا۔'' (مرقس باب 9 آیت 4-2)

حضرت مسیح کا نام انجیل کے مطابق یسوع اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ گناہوں سے نجات دیتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

''مسیح کا نام یسوع اس لئے رکھا گیا کہ اس نے لوگوں کو گناہوں سے نجات دینی تھی کیونکہ یسوع کے معنی نجات کے ہیں۔'' (متی 1/22)

مسیح کے معنی بھی اس قسم کے انجیل میں بیان ہوئے ہیں:

''تو نے راست بازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی۔ اس سبب سے خدا یعنی تیرے خدا نے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی نسبت تجھے زیادہ مسح کیا۔'' (عبرانیوں 1/9)

بھوشیۂ مہاپران میں بھی اسی سے ملتی جلتی خبر دی گئی ہے چنانچہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ

تلفظ: مَانسَم یرمَلَم کرِتوَا مَلَم دِیھے شُبھا اَشُوبَھم

شالی واھن (راجہ شالی واھن کے زمانہ کا تعین): اس حوالہ میں راجہ شالی واھن کا ذکر ہے جس کا زمانہ پہلی صدی عیسوی متعین کیا جاتا ہے۔

(۱) چنانچہ زیر لفظ شالی واھن Kale کی سنسکرت انگریزی ڈکشنری میں لکھا ہے کہ شالی واھن ہندوستان کے ایک مشہور راجہ کا نام ہے جس کی سموت 78ء سے شروع ہوتی ہے۔

(۲) کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد نمبر 1 صفحہ 582 میں لکھا ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے آخری ربع میں شالی واھن نے ساکا قوم کے حملہ آوروں کو کشمیر اور شمالی ہندوستان سے باہر نکالا تھا۔

(۳) جیمز پرنسپ Essay on Indian Antiquitien Voll II P.15 میں لکھتے ہیں کہ راجا شالی واھن 78ء کے قریب کشمیر سے رخصت ہوا کیونکہ دکن (جنوبی ہندوستان) میں بغاوت کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ شالی واھن ہندوستان کے ایک مشہور راجہ کا نام ہے جس کا سموت 78ء سے شروع ہوا۔ اس سال اس نے ساکا قوم کے خلاف فتح و کامرانی حاصل کی جس کے لئے خوشی میں نئی سموت کا اجراء ہوا۔ یہ راجا اپنی فتوحات کے سلسلہ میں کشمیر آیا اور 78ء کو کشمیر سے رخصت ہوا ظاہر ہے کہ یہ راجا حضرت مسیح ناصری کا ہم عصر تھا کیونکہ حدیث کی رو سے آپ نے 120 یا 125 سال عمر پائی۔ حضرت مسیح ناصری کی ملاقات اس راجہ سے 78ء کے آس پاس ہوئی جبکہ وہ کشمیر میں مقیم تھا۔

خلاصہ مضمون

''بھوشیہ مہاپران اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام'' اس مضمون کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خبر کہ ''ہندوؤں کے پاس بھی ایک کتاب موجود ہے جس میں شہزادہ نبی کا ذکر ہے'' کس شان سے پوری ہو رہی ہے۔ بھوشیہ مہاپران کا مندرجہ بالا حوالہ فی ذاتہٖ جہاں حضرت مسیح ناصری کے ہندوستان آنے اور یہیں وفات کی قطعی خبر دے رہا ہے۔ وہاں اس حوالہ کے متفرق الفاظ حضرت مسیح ناصری کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں اور سارے الفاظ اشارہ کنایہ سے یہی کہہ رہے ہیں کہ

''یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے۔..... مسیح موعود کے ذریعہ دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو..... اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا ہر ایک کی آنکھ کھلے گی اور غور کرنے والے غور کریں گے کیونکہ خدا کا مسیح آ گیا۔ اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں توجہ اور قلموں میں زور اور کمروں میں ہمت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا۔ اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائے گی کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے اور کیا ہی سعادت مند ہے وہ شخص جو اس نور میں سے کچھ پاوے۔'' (''مسیح ہندوستان میں'' روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 64-65)

اللہ تعالیٰ اس نور سے زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں فراہمی کتب کے لئے خاکسار انچارج صاحب احمدیہ مرکزی لائبریری قادیان اور مکرم مبارک احمد صاحب بٹ قادیان اور مکرم لطیف احمد خالد صاحب قادیان کا ممنون ہے۔